

تفسیر

ایستغاثہ

تالیف

شیخ الاسلام الامام ابن تیمیہ

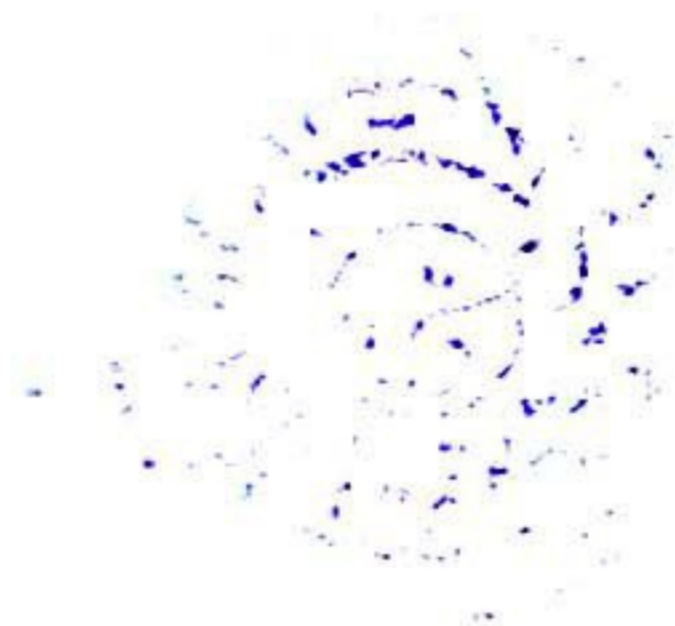
تقدیم و تنفیج

د احمد غضنفر

516

مکتبہ ابن تیمیہ

لاہور پاکستان





تفسیر

اسع کرمی

تالیف

شیخ الاسلام الامام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ

تقدیم و تنقیح

محمود احمد غضنفر



مکرم سبیر تیمیہ

لاہور پاکستان

39401

نام کتاب : تفسیر آیت کریمہ
مؤلف : شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ
مترجم : مولانا عبد الرحیم حفظہ اللہ
تقدیم : محمود احمد غضنفر
سرورق و عنوانات : عبد الرشید قہر
ناشر : مکتبہ ابن تیمیہ
مطبع : شرکت پرنٹنگ پریس۔ لاہور
مفت ملے کا پتہ

مکتب الدعوة الاسلامیہ
۵۸۔ ابوبکر بلاک نیو گارڈن ٹاؤن
لاہور : پاکستان



ماہنامہ رمضان ۱۴۱۵ھ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
<div style="display: flex; justify-content: space-between; align-items: center;"> <div style="border: 1px solid black; padding: 5px;">پہلا باب</div> <div>دعائے یونس علیہ السلام کی معنوی مناسبت</div> </div>			
۳۲	مقام فنا اور دعوائے محویت	۲۲	دعا بمعنی عبادت اور سوال
۳۴	آیت کریمہ کی خاصیت	۲۴	دعا اور صلوة کا تسمیہ
۳۵	سوال کی مختلف صورتیں	۲۶	سائل اور داعی
۳۷	حضرت سفیان سے سوال و جواب	۲۸	عبادت کا نصب العین
۳۹	پیرایہ حسن ادب	۲۹	دوزخ اور جنت
۳۹	جامع ترین دعا	۳۰	دیدار خداوندی اور علماء کرام
۴۰	قرآنی دعاؤں کا خاصہ	۳۱	عزیمت کا اظہار
<div style="display: flex; justify-content: space-between; align-items: center;"> <div style="border: 1px solid black; padding: 5px;">دوسرا باب</div> <div>درجہ پذیرائی دعائے یونس علیہ السلام</div> </div>			
۴۵	”لا الہ الا انت“ کا مفہوم	۴۲	دعا کا مخصوص انداز
۴۶	لفظ ”سجناک“ کا مفہوم	۴۲	رفع تکلیف کا حقیقی ذریعہ
۴۷	صدور ظلم کا عدم امکان	۴۲	عظمت الہی کا اعتراف
۴۸	دعائے یونس کی فضیلت	۴۳	استفتاح نماز کی دعا
۴۹	محامذات کی محبوبیت	۴۴	سید الاستغفار کی فضیلت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۲	مدحت طرازی بدرجہ غایت	۴۹	امام رازی کا نظریہ
۵۲	اظہارِ حال و اعترافِ قصور	۵۰	عظمت و کبریا کی اظہار
۵۳	ایک دلچسپ توجیہ	۵۲	اسمائے حسنہ اور کلمات چہارگانہ
<div style="border: 1px solid black; padding: 5px; display: inline-block;"> تیسرا باب </div> خاصیت و حکمتِ دعائے یونس علیہ السلام			
۴۷	اخلاص اور علوشان الوہیت	۵۴	سبب اور ازالہ مصیبت
۴۷	پابندی احکام و اطاعت	۵۵	ہر تنگی اور اندیشے سے نجات
۴۷	ہوائے نفس کو معبود و معطرانا	۵۶	خیر و برکت کا سرچشمہ
۴۸	اخلاص حضرت ابراہیم خلیل اللہ	۵۶	حضرت علی کا قول
۴۸	مخلصین اور شیطانی تسلط	۵۶	امید و بیم کا بلجا و ماوسے
۷۰	اخلاص کلمہ توحید	۵۷	موجب اثرات اسباب
۷۰	دخولِ جنت از قول "لا الہ الا اللہ"	۵۹	کامرانی کی حقیقی شاہراہ
۷۰	تجدیدِ اخلاص کا پروگرام	۵۹	توکل علی اللہ اور شرک
۷۰	ہلاکت آفرینی شیطان	۵۹	مخلوق پر بھروسہ
۷۱	خواہشِ نفس کی پیروی	۶۱	مشرک مرعوب اور مومن مامون
۷۲	توحید اور استغفار کی مناسبت	۶۲	جنگِ بدر اور اسبابِ فتح مندی
۷۲	مجلس کے خاتمہ کی دعا	۶۲	صبر اور توکل کا موازنہ
۷۲	ادعیہ آخر و صوا اور نماز	۶۲	ابوسعید خدری کی روایت
۷۴	تمام ادیان کا پنچوڑ	۶۵	امام احمد بن حنبل کا توکل
۷۴	توحید ربوبیت اور توحید الوہیت	۶۶	ارشاد نبوی بروقت تکلیف

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۱	روایت عدی بن حاتم	۷۹	الحب لله والحب مع الله كافر
۸۱	تعظیم مشائخ میں غلو	۷۹	ترکِ محظورات اور بجا آوری ماموریت
<div style="border: 1px solid black; padding: 5px; display: inline-block;"> چوتھا باب </div> اطاعتِ الہی اور اطاعتِ رسول			
۹۷	نقصِ یقین ابی طالب	۸۳	رسولوں کی بعثت کا مقصد
۹۸	ضرورتِ ایمان اور توحید	۸۴	مامور من اللہ اور اولی الامر
۱۰۰	توکل اور عبادت کا مفہوم	۸۴	دین کا مخلص
۱۰۱	معانی عموم و خصوص	۸۵	غلو فی التوحید
۱۰۲	مفہوم محبت، توکل اور خوف	۸۶	پیری مریدی کا جوش جنون
۱۰۵	نام نہاد صوفیہ کو نصیحت	۸۷	ایمان اور اسلام کا مفہوم
۱۰۶	اصلاحِ حال کی راہ	۸۹	ہر مسلم مومن نہیں
۱۰۷	سالکانِ راہ کی کوتاہیاں	۸۹	حقیقتِ ایمان، اسلام اور احسان
۱۰۷	امراضِ ریا و عجب کا علاج	۹۱	منقاد و مطیع کی تشریح
۱۰۸	بھوٹے پیروں کا فرقہ	۹۱	حواس و ادراک سے بالاتر امور
۱۰۹	عقیدہ اہل توحید	۹۳	مومن اور کافر کی شناخت
۱۱۰	بندہ پیغمبر اور بادشاہ پیغمبر	۹۴	انکارِ شیطانی کی نوعیت
۱۱۱	فقہاء کی غلط توجہیں	۹۴	فرعون کا انکار
۱۱۳	آنحضرتؐ کا اجتہاد اور حکم صریح	۹۵	علم اور عمل کی ناموافقت
۱۱۵	صواب دیدِ رسولؐ اور حکمِ الہی	۹۶	تصدیقِ قلبی اور عملِ قلب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
پانچواں باب		دعائے یونس اور توحید الوہیت	
۱۲۳	ایمان اور عاشقانِ رسول	۱۲۰	داعیہ تمخاطب الہی
۱۲۵	محبت الہی کا جذبہ	۱۲۰	اقرارِ گناہ کی تقدیم و تاخیر
		۱۲۲	خدا کا سچا بندہ اور حقیقی مومن
چھٹا باب		عصمت انبیاء علیہم السلام	
۱۲۲	حضرت امام احمد بن حنبل کا قول	۱۲۹	انبیاء علیہم السلام اور حفاظت الہی
۱۲۳	قصہ اور ترکِ یوسفؑ	۱۳۰	اختلاف علماء اور القائل شیطانی
۱۲۳	ایک غلط روایت	۱۳۱	اہل حدیث کا عقیدہ
۱۲۴	مفسرین کی غلطی	۱۳۲	صداقت نبوت کی مستحکم دلیل
۱۲۲	حضرت یوسف علیہ السلام	۱۳۲	حضرت عائشہؓ کا قول
۱۲۲	صمت بہ و ہمربہا	۱۳۳	سچے اور جھوٹے کی پہچان
۱۲۸	ملائکہ کو انبیاء پر فضیلت	۱۳۴	انبیاء اور تبلیغ رسالت کے علاوہ کام
۱۲۸	غلط فہمی کی وجہ	۱۳۴	منافی کمال اور فضیلتِ توبہ
۱۲۸	فضیلت کمال باعتبارِ مال	۱۳۴	مرضِ خود بینی کی سزا
۱۲۹	ابن تیمیہ کا قول	۱۳۴	انحراف مسلمہ اصول اور فقدانِ ایمان
۱۳۷	بیانِ فضیلت و کمال	۱۳۷	انبیاء علیہم السلام کا قصور اور دُورم
۱۳۷	رجوع الی اللہ کا نتیجہ		از کار تاویلین
۱۵۱	بنیادِ فضل و کمال	۱۳۸	حصولِ سعادت کا صحیح نسخہ
		۱۳۹	قصورِ انبیاء اور توبہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
ذریعہ محبوبیت خداوندی		ساتواں باب	
۱۷۴	مفسرین کی غلط تاویلیں	۱۵۴	ذریعہ محبوبیت خداوندی
۱۷۴	فرقہ جمیہ اور باطنیہ کی توجیہ	۱۵۵	افصلیت اعمال
۱۷۴	غلط توجیہ کی ایک مثال	۱۵۹	دوستی اور دشمنی کا اصول
۱۷۴	وجوہاتِ سبعہ	۱۶۱	معیار محبوب اللہ
۱۸۰	مقبولیتِ توبہ اور اعترافِ گناہ	۱۶۲	اہل تشیع کے عقیدہ کی تردید
۱۸۰	مومن موحّد کی مغفرت	۱۶۲	قبل از نبوت معصومی انبیاء
۱۸۰	ناقابلِ بخشش گناہ	۱۶۳	تاخیر و توقف قابلِ پاداش
۱۸۱	مشک و موحّد	۱۶۳	بطلانِ عقیدہ باطلہ
۱۸۲	معانی لفظِ مغفرت	۱۶۶	بلا استثناء فرضیتِ توبہ
۱۸۲	تائب اور تارک میں فرق	۱۶۶	حصولِ کمال کا ذریعہ
۱۸۴	مغفرت کا یقینی ذریعہ	۱۶۷	موردِ عنایت الہی
۱۸۴	گناہوں کا استحضار اور مقبولیتِ توبہ	۱۶۹	استغفار کی دعائیں
۱۸۴	توبہ	۱۶۹	سوسو بار توبہ
۱۸۴	ترک اور ارتکابِ گناہ	۱۷۰	تبخیرِ تحریمہ اور قمارت کی درمیانی
۱۸۴	پہلا اصول		دعا
۱۸۷	ابو ہاشم کی دلیل کا جواب	۱۷۱	آغازِ نماز کی دعا
۱۸۷	معتزلہ اور اہل کبار	۱۷۱	سجدے کی دعا
۱۸۸	سلف کا اعتقاد	۱۷۱	سواری کی دعائے تلقین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۹۴	اللہ اور رسول کی محبت	۱۸۸	قبولیت اعمال اور انکار
۱۹۵	مقبوبت ٹل جانے کے اسباب	۱۸۹	مقبولیت کے لیے ایمان ناگزیر ہے
۱۹۶	تعلق باللہ توڑنے کا رشتہ	۱۹۰	بخشش بوجہ قبول اسلام
۱۹۶	مفہوم توحید ربوبیت	۱۹۱	ترک ارتکاب پر جزا
۱۹۶	افعال اختیار یہ میں عجز انسانی،	۱۹۱	اعمال جاہلیت کا مواخذہ
۱۹۷	سب سے بڑی ذلت	۱۹۲	توبہ مطلق اور توبہ عام خاص
۱۹۸	عرفان الوہیت	۱۹۳	کو نساگناہ عام توبہ سے نہیں
۲۰۱	نزول مصائب نعمت عظمیٰ		بخشا جاتا
۲۰۱	ہجوم مشکلات اور حلاوت مناجات	۱۹۳	عام توبہ اور محمل توبہ
۲۰۲	عقائد کتاب	۱۹۳	صفت خالق ایمانیہ



شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ حیرانی رحمۃ اللہ علیہ

شجرہ نسب | تقی الدین ابوالعباس احمد بن شہاب الدین ابوالمحاسن عبدالحمید بن محمد الدین ابوالبرکات عبدالسلام بن ابو محمد عبداللہ بن ابوالقاسم الخضر بن علی بن عبداللہ یہ خاندان، خاندان ابن تیمیہ کے نام سے مشہور ہے۔

وجہ تسمیہ | امام صاحب علیہ الرحمۃ کی دادی بہت بڑی واعظہ تھی، ان کا نام تیمیہ تھا، اسی مناسبت سے اس خاندان کا نام "خاندان ابن تیمیہ" پڑ گیا۔

ولادت | امام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ کی ولادت ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ کو حران نامی بستی میں ہوئی۔

ابتدائی حالات | چھ سال کی عمر تک امام صاحب اسی بستی میں مقیم رہے، ابھی عمر کے ساتویں سال میں تھے کہ تاتاریوں نے اس بستی پر غارتگری کی۔ ان کے ظلم و ستم سے تنگ آکر یہاں کے باشندوں نے سکونت ترک کر کے ادھر ادھر پناہ لینا شروع کی۔ خاندان ابن تیمیہ کے کچھ لوگ ہجرت کر کے دمشق کی طرف بڑھے۔ لیکن راستہ انتہائی پرخطر تھا۔ نہ امن بلکہ نہ سکون۔ اس ذہنی پریشانی کے ساتھ ساتھ راستہ کی دشواری اور زیادہ تکلیف کا باعث تھی، رات کی تاریکیوں میں سفر جاری رکھنے والے یہ لوگ ایک خانوادہ علم کے افراد تھے۔ ہر آن یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں دشمن سر پر نہ پہنچ جائے، لیکن اللہ نے دشگیری فرمائی اور قافلہ ظالموں اور سفاکوں سے بچتا بچتا منزل مقصود تک پہنچ ہی گیا۔

تعلیم و تربیت | چونکہ امام تقی الدین ابن تیمیہ کا خاندان علم میں ایک ممتاز مقام رکھتا

تھا۔ اس علمی گوارہ میں آپ نے آنکھ کھولی۔ بچپن ہی سے علم کی طرف راغب ہو گئے
 چھوٹی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا، شوقِ تلاوت کا یہ عالم تھا کہ جیل کی زندگی میں ۸۰
 سے زیادہ قرآن مجید ختم کیے۔ قرآن مجید ختم کرنے کے بعد حدیث اور لغت کی طرف
 متوجہ ہوئے، احکام فقہ کی معرفت حاصل کی۔ اور ان کا بڑا حصہ ازبر کر لیا۔

امام صاحب کے والد شیخ الحدیث کے مقام پر فائز تھے، چنانچہ امام صاحب
 نے صحیح بخاری، مسلم، مسند امام احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن
 ابن ماجہ، سنن دارقطنی کی بار بار سماعت کی، حدیث میں سب سے پہلے کتاب جو امام
 صاحب نے حفظ کی وہ امام حمیدی کی کتاب الجمع بین الصحیحین ہے۔ امام صاحب کے
 بعض معاصرین کا بیان ہے کہ آپ نے جن شیوخ سے سماعت کی، ان کی تعداد ۲۰۰
 سے متجاوز ہے۔ حدیث کے ساتھ ساتھ دوسرے علوم و فنون کے حصول پر بھی
 توجہ مبذول فرمائی۔ چنانچہ علوم ریاضی میں خاصی دسترس حاصل کی۔ علوم عربیہ کی
 طرف خاص طور پر زیادہ توجہ کی۔ یہ علوم تو اس طرح حاصل کیے جیسے ہی ان کا منشا اور
 مقصد تھا۔ چنانچہ عربی زبان کا بہت سا کلام نظم اور نثر زبانی حفظ کر لیا۔ جنگ و
 پیکار کی تاریخ پر عبور حاصل کیا۔ مسلمانوں کے عہد زریں کے حالات و کوائف کا خوب
 اچھی طرح مطالعہ کیا، عروج و زوال کی دلستانیں پڑھیں اور ان کے اسباب و علل
 کو گہری نظر سے دیکھا، فن نحو میں خصوصی دسترس حاصل کی، کتاب سیبویہ آپ کو
 زبانی یاد تھی، ان علوم و فنون کے ساتھ فقہ حنبلی کا درس بھی جاری تھا، ایک طرف
 تو یہ کیفیت تھی کہ امام صاحب علوم و فنون میں غیر معمولی طور پر مصروف و منہمک تھے،
 اور دوسری طرف یہ عالم تھا کہ دل و جان سے تفسیر قرآن کے اسرار و رموز کی گہرائی
 میں لگے ہوئے تھے قرآن فہمی کے لیے تمام متعلقہ علوم و کتب کھنگال ڈالیں۔ ایک
 ایک حرف کا پوری توجہ سے مطالعہ کیا۔

امام صاحب کی ہمہ گیری اور جامعیت | مختصر یہ کہ امام ابن تیمیہ نے اپنے ذہن و دماغ کی تربیت بہت عمدہ طور پر کی، انہوں نے وہ تمام علوم حاصل کیے جو ان کے زمانے میں رائج تھے، علم کا کوئی ایسا مرکز نہ تھا جس کے دروازے پر دستک نہ دی ہو۔ امام صاحب کے ایک ہم عصر علامہ کمال زملکا نے ان کے بارے میں کیا خوب کہا ہے۔

”اللہ تعالیٰ نے امام ابن تیمیہ کے لئے علوم کو اس طرح کر دیا تھا، جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا، جب کسی علم و فن کے بارے میں ان سے سوال کیا جاتا تو دیکھنے سننے والوں کو ان کی رائے سن کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس فن کے سوا امام صاحب کچھ اور نہیں جانتے اور یہ کس اس فن میں امام صاحب کا کوئی حریف مقابل نہیں۔ ہر مکتب خیال کے فقہاء کرام جب آپ کے دربار علم میں حاضر ہوتے تھے تو خود اپنے مسلک کے بارے میں ان کے ہاں ایسی باتیں حاصل کرتے تھے، جن سے اب تک وہ خود ناواقف تھے اور یہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی شخص سے وہ مناظرہ کریں اور لاجواب ہو کر رہ جائیں۔ وہ ہر علم پر ماہرہ گفتگو کرتے تھے خواہ وہ شرع و دین سے تعلق رکھتا ہو یا دنیاوی فنون سے متعلق ہو، جس علم پر بھی گفتگو کرتے تھے، معلومات سے اس علم کے ماہروں کو بھونچا کر دیتے تھے“

کیا امام ابن تیمیہ عرب تھے؟ مورخین نے کسی ایسے قبیلے کا ذکر نہیں کیا، جسے خاندان ابن تیمیہ کی جڑ قرار دیا جاسکے، وہ حران شہر کے رہنے والے تھے، اسی نسبت سے امام صاحب حرانی کہلائے، مورخین نے قبائل عرب میں سے کسی قبیلہ کی طرف امام صاحب کو منسوب نہیں کیا، اس سے ثابت ہوا کہ امام موصوف عربی نہیں

تھے۔ غالب قیاس یہ ہے کہ وہ کُردی تھے۔ کُرد قوم بڑی بہادر، باحوصلہ اور عالی ہمت قوم ہے۔ اس قوم کے کردار و سیرت میں قوت کا رنگ بھی بھلکتا ہے اور آتش خوئی کا بھی اور یہ تمام صفات اہم صاحب میں واضح اور نمایاں طور پر موجود تھیں اگرچہ ان کی نشوونما ایسے لوگوں میں ہوئی تھی جو علم و فضل، دانش و بینش، تحقیق و تدقیق اور غور و فکر کے مرد میدان تھے۔

مخرب علم سے میدانِ جہاد کی طرف | امام ابن تیمیہؒ سکون سے اپنے فرائض

کی بجا آوری میں مصروف تھے، وہ مدرسہ میں درس دیتے اور تحقیق و تدقیق کے جوہر دکھاتے، مسجد میں وعظ و ارشاد کی محفلیں برپا کر کے سننے والوں کے قلوب میں سوز و گداز کی کیفیت پیدا کرتے۔ وعظ و ارشاد کی مجلس میں ان کا بیان آپ کوثر کی طرح پاک اور صاف ہوتا۔ لوگوں کے سامنے وہی دین پیش کرتے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ لیکن اس درس و تدریس کے ساتھ عسائتہ جذبہ جہاد اسی طرح قائم رہا حتیٰ و صداقت کے لیے سینہ سپر رہتے۔ جو بات حق نظر آتی اس کے خلاف ڈٹ جاتے، حکام و عمال کے پاس پہنچتے اور فریضہ تبلیغ حق سے عہدہ برآ ہوتے۔ امام موصوف علیہ الرحمۃ بیک وقت صاحبِ علم و قلم اور صاحبِ سیف مجدد تھے۔

عشقِ رسولؐ کی چنگاری | ۱۱۹۷ھ میں باوثوق فدائے سے امام صاحب تک یہ خبر

پہنچی کہ ایک نصرانی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی ہے پھر وہ راتے عامہ کے اشتعال سے خوف زدہ ہو کر ایک بدوی کے گھر پناہ گزیر ہو گیا ہے۔ اس نے عوام کے جوش غضب سے اس کی حفاظت کی۔ امام صاحب کے لیے یہ بات ناقابل برداشت تھی۔ جس پر سکوت کسی طرح بھی اختیار نہ کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ وہ دمشق کے نائب السلطنت کے پاس پہنچے اور اس سے ماجرا بیان کیا۔ اس نے نصرانی کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ وہ حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ وہ بدوی بھی تھا جس نے اسے

پناہ دے رکھی تھی، بدوی نے مظاہرہ کرنے والوں کے خلاف دشنام طرازی شروع کر دی۔ لوگ مشتعل تو تھے ہی، انہوں نے نصرانی بدوی اور اس کے ساتھیوں پر سنگ باری شروع کر دی۔ حاکم دمشق نے امام صاحب سے اس الزام میں کہ انہوں نے لوگوں کو نصرانی کے خلاف بھڑکا کر امن عامہ کو درہم برہم کیا تھا، تشدد کا برتاؤ کیا اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ درس و تدریس کی پابندیوں نے بھی اس مرد جلیل کو دین و مذہب کے مسائل عامہ سے مستغنی اور بے پرواہ نہیں کر رکھا تھا، وہ دین کی حمایت و نصرت کے لیے کسی سے بھی ٹکرائے سے جھجک محسوس نہیں کرتے تھے، وہ درس کے حلقہ سے اٹھ کر میدان میں آئے اور دشنام رسول کے مجرموں کے خلاف عوام کی رہنمائی کرتے اور اس سلسلہ میں جو تکلیف پریشانی یا مصیبت آتی اس کا مردانہ وار مقابلہ کرتے۔

تصنیفات | شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی عمر سترہ سال کی تھی جب انہوں نے قلم سنبھالا۔ پینتالیس سال کی عمر تک یہ قلم پورے زور سے رواں دواں رہا۔ اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حافظہ، حیر العقول ذکاوت اور ندرت افزا فہم سے نوازا تھا، سرعت قلم کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات ایک ہی دن میں علمی اور تحقیقی رسالہ مرتب کر دیتے، لوگ مشکل مسئلے لے کر آجاتے اور امام موصوف جواب میں کئی کئی صفحات لکھ دیتے، ان حالات میں کیسے صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ زندگی میں آپ نے کیا کچھ لکھا اور اگر آپ کی تمام کتب کو مرتب کیا جائے تو کتنے ہزار صفحات بن جائیں، یہی اور اس قسم کی دوسری ممتاز خصوصیات تھیں جن کی بنا پر آپ اپنے عہد میں مرجع عالم شخصیت قرار پائے تھے اور اگرچہ وفات پر نویں صدی گزر رہی ہے تاہم آپ کی ہر تحریر کو آج بھی جو بلند مقام حاصل ہے اس کی مثال نہ پہلے ملتی ہے اور نہ اب۔ حافظ ذہبی علیہ الرحمۃ نے امام موصوف کی زندگی ہی میں ایک مرتبہ تحریر فرمایا کہ آپ کی تصانیف

کی تعداد پانچ سو تک جا پہنچی ہو تو بعید نہیں۔ اس کے بعد غالباً بعد از وفات لکھا کہ:۔
 ہزار سے اوپر تعداد ہو گئی ہے۔“

تصنیفات کے نام اگر دیکھنا مقصود ہوں تو حیاتِ شیخ الاسلام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ
 شائع کردہ مکتبہ سلفیہ لاہور کی طرف مراجعت فرمائیں۔ بلاشبہ امام صاحب کی زندگی
 پر یہ ایک بسوط کتاب ہے۔ میں نے بھی اسی کی خوشہ چینی کر کے امام صاحب کی زندگی
 کی چند جھلکیاں تاریخین کی خدمت میں پیش کی ہیں۔

تلاذہ امام ابن تیمیہ کے دور میں ہمیں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو شاگردوں کی زیادتی
 میں شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کا ہم پارہ ہو۔ مصر و شام میں اور پھر مصر کے اندر اسکندریہ اور قاہرہ
 کے مابین ان کے شاگردوں کی تعداد حد شمار سے خارج تھی، لیکن مخصوص شاگرد جنہوں نے
 صحیح معنوں میں آپ کی جانشینی کے فرائض سرانجام دیے، ان کے نام درج ذیل ہیں۔

بزرگوار	نام	ولادت	وفات
۱	حافظ ابن قیم الجوزی علیہ الرحمۃ	۴۹۱ھ	۵۴۱ھ
۲	حافظ ابن السادی علیہ الرحمۃ	۵۰۵ھ	۵۴۴ھ
۳	حافظ ابن کشیر علیہ الرحمۃ	۵۰۱ھ	۵۴۴ھ
۴	حافظ علامہ ذہبی علیہ الرحمۃ	۴۶۳ھ	۵۴۸ھ
۵	محمد بن مفلح علیہ الرحمۃ		۵۴۳ھ
۶	ابن قاضی الجبل علیہ الرحمۃ		۵۶۱ھ
۷	ابو حفص انبار علیہ الرحمۃ		۵۴۹ھ
۸	ابن سعد اللہ حمرانی علیہ الرحمۃ		۵۴۹ھ
۹	ابن الوردی علیہ الرحمۃ		۵۴۹ھ
۱۰	الدباہی الزاہد علیہ الرحمۃ		۵۶۱ھ
۱۱	قاضی ابن فضل اللہ علیہ الرحمۃ		۵۴۹ھ

یہ وہ کبار شاگرد ہیں جنہوں نے امام ابن تیمیہ سے فیضِ علم حاصل کیا اور صحیح معنوں میں آپ کے جانشین بنے۔

سفرِ آخرت | ہنگامہ خیز زندگی گزارتے ہوئے بالآخر وہ وقت آ ہی گیا، جو ہر فی روح کی انتہا کہلاتا ہے، اللہ سبحانہ نے امام صاحب کی روح کو اپنے حضور طلب کر کے اپنی خوشنودی اور رضا کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔

۲۰ ذوالقعدہ ۷۲۸ھ / ۳۲۴ھ کو امام صاحب اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ امام صاحب کے بھائی زین الدین عبدالرحیم کا کہنا ہے کہ پانچ ماہ کی مدت میں ہم دونوں نے اسی قرآن مجید بطورِ دورِ ختم کیے، تین پارے روزانہ کا معمول تھا۔ ۸۱ ویں مرتبہ شروع کر کے سورۃ القمر کی آیت **إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهْرٍ** **فِي مَقْعَدٍ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ** تلاوت کر رہے تھے کہ روحِ تفسیر عنصری سے پرواز کر کے خالقِ حقیقی سے جا ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

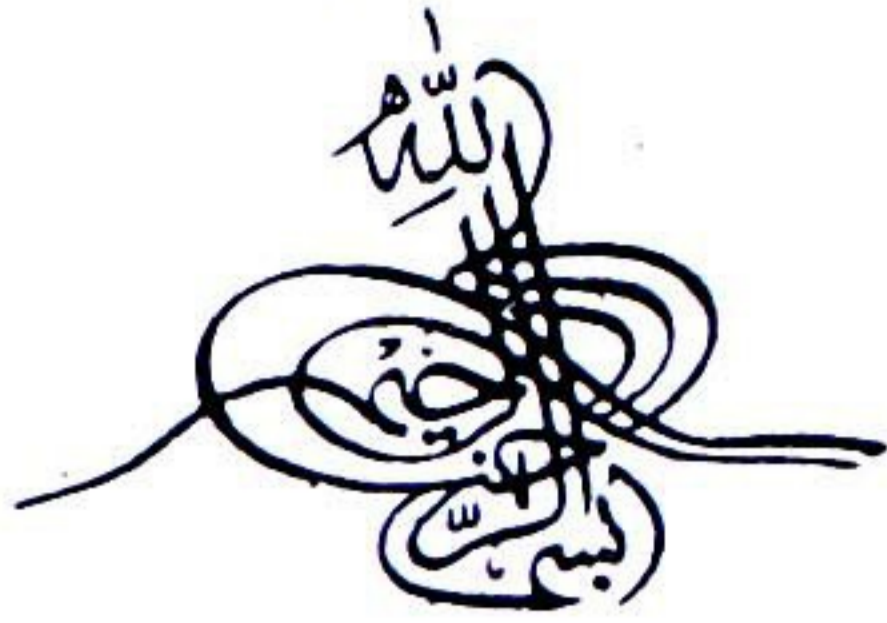
کم و بیش بیس دن بیمار رہے۔ لیکن جیل سے باہر عام طور پر بیماری کی اطلاع نہیں ہوئی۔ سوموار کی رات ۲۰ ذیقعدہ کو سحری کے وقت انتقال ہوا، خبر وفات کا اعلان قلعہ (جس میں آپ محبوس تھے) کے مینار سے علی الصباح کر دیا گیا۔ اس ناگہانی خبر سے کھرام مچ گیا۔ سارے شہر میں صفِ ماتم بچھ گئی، بازار بند ہو گئے، دوکانوں پر کھانا تک اس دن نہیں پکا۔ زیارت کرنے والے لوگوں کا ہجوم قلعہ کے پاس ہو گیا، قلعے کا دروازہ کھول کر داخلے کی عام اجازت دیدی گئی، علماء، وزراء، امراء، عوام، اقباب سب امام صاحب کے پاس آتے تھے اور زار و قطار روتے تھے، زیارت کے لیے پہلے مرد آئے پھر عورتیں آئیں، غسل کے وقت سب لوگ چلے گئے۔ صرف غسل دینے والی علماء و اعیان کی ایک جماعت رہ گئی، جن میں مشہور اور جلیل القدر محدث اور آپ کے خاص معتقد ابوالحجاج بھی تھے۔

غسل کے بعد جنازہ اٹھایا گیا، ہجوم بہت زیادہ ہو گیا۔ قلعہ میں پہلی نماز جنازہ
 شیخ محمد بن تمام نے پڑھائی۔ اس کے بعد جنازہ جامع اموی میں لایا گیا۔ نماز ظہر کے
 بعد جنازہ کی نماز پڑھی گئی جس کی امامت نائب الخطابہ شیخ علاؤ الدین بن المحرط
 نے کرائی۔ پھر وہاں سے جنازہ اٹھا، ہجوم اس قدر تھا کہ شہر کا شہراؤڈ کر آ گیا تھا،
 یعنی شاہدوں کا بیان ہے کہ معذوروں کے سوا سب ہی اہل شہر جنازہ کے ساتھ شامل
 تھے۔ آنکھیں اشکبار تھیں۔ مدحیہ و دعائیہ کلمات زبانوں پر تھے، ہر ایک فرط عقیدت
 سے جنازہ سے مس کرنا چاہتا تھا۔ شدت اثر و حام کی وجہ سے جنازہ کی حفاظت
 و انتظام کے لیے فوج کو جنازہ گھرے میں لینا پڑا۔ ہجوم لمحہ بہ لمحہ بڑھتا ہی گیا، دمشق
 سے باہر ایک وسیع میدان میں جنازہ رکھ دیا گیا۔ تیسری نماز جنازہ علامہ زین الدین
 عبدالرحمن نے پڑھائی اور عصر کے قریب اس آفتاب علم اور مجددِ ملت کو اپنے مہبائی
 شرف الدین عبداللہ کے پہلو میں سپردِ خاک کیا گیا۔
 جنازہ پر تقریباً دو لاکھ کی حاضری کا اندازہ کیا گیا ہے۔ ۱۵ ہزار عورتوں کا تخمینہ اس
 کے علاوہ ہے۔ دمشق کی تاریخ میں اس قسم کے جنازہ کی مثال نہیں ملتی۔

ع آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

محمود احمد غصنفی

فروری: ۱۹۸۲ م



پیش لفظ

حَامِدًا وَمُصَلِّيًا

یہ کتاب "تفسیر آیت کریمہ" شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ نے ان آٹھ سوالوں کے جواب میں لکھی جو ایک سائل نے آیت کریمہ کے ضمن میں پیدا ہونے والے سوال امام مدوح کی خدمت میں پیش کیے تھے۔ یہ سوالات اسی کتاب کی تہید میں بالترتیب ذکر کر دیے گئے ہیں۔

یہ کتاب امام صاحب نے عربی میں تحریر فرمائی، جس کا اردو ترجمہ مولانا عبدالرحیم مرحوم ناظم دارالعلوم پشاور نے کیا، تاکہ عوام الناس پوری طرح اس سے استفادہ کر سکیں۔ چونکہ یہ کتاب ایک عرصہ سے نایاب تھی، بڑی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اسے حاصل کر کے دوبارہ منظر عام پر لایا جائے۔ لہذا سے از سر نو ترتیب کیا گیا اور دوبارہ موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ممکنات سے اسے ترمیم کی جانب سے شائع کیا جا رہا ہے۔ کتاب میں جاذبیت پیدا کرنے کے لیے اسے سات ابواب میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ عام فہم بنانے کے لیے جلی اور لغلی عنوان قائم کر دیے گئے ہیں۔ کہیں کہیں حاشیہ آرائی نے اسے مزید آسان بنا دیا ہے تاکہ ہر خاص و عام اس سے پوری طرح استفادہ کر سکے۔ ابتداء میں مفسرین کی فہرست کے بعد شیخ الاسلام

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات زندگی بھی درج کر دیے گئے ہیں تاکہ کتاب پڑھنے سے پہلے مطالعہ کرنے والے کے ذہن پر مصنف کی ہمہ گیر شخصیت کا اثر پڑ سکے ، ویسے تو امام صاحب علیہ الرحمۃ کا نام ہی اپنے اندر کشش اور جاذبیت رکھتا ہے ۔ کسی کتاب پر آپ کا نام دیکھ لینے کے بعد ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی کہ کسی سے اس کتاب کا تعارف کرایا جائے ، آپ کا نام ہی اس کتاب کے مستند ہونے پر ایک دلیل ہے ۔

آخر میں قارئین کرام سے اپیل ہے کہ بندہ عاجز کے سخی میں دعا فرمائیں ۔ اللہ تعالیٰ مجھے دینی علوم کی خدمت کرنے اور اس قسم کے ذخائر علیہ کو تلاش کر کے ہر خاص و عام تک پہنچانے کی توفیق بخشے ۔ آمین !

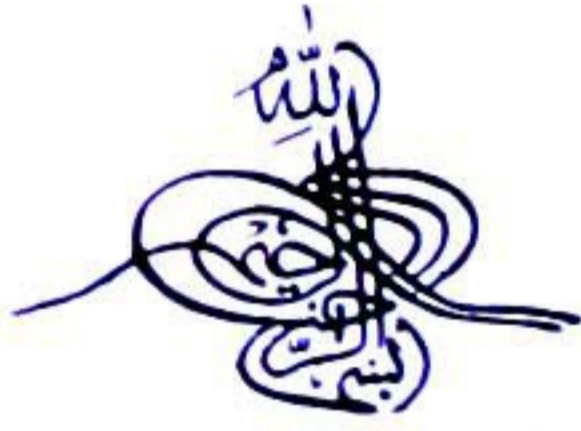
مخاکسار :-

مَحْمُودُ أَحْمَدُ غَضَنَفَرٌ

فروری : ۱۹۸۴ م



تفسیر



لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ
إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ

ترجمہ: (اے پروردگار) تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری ذات پاک و عظیم ہے
بے شک میں ہی ظالموں سے ہوں

مشہد

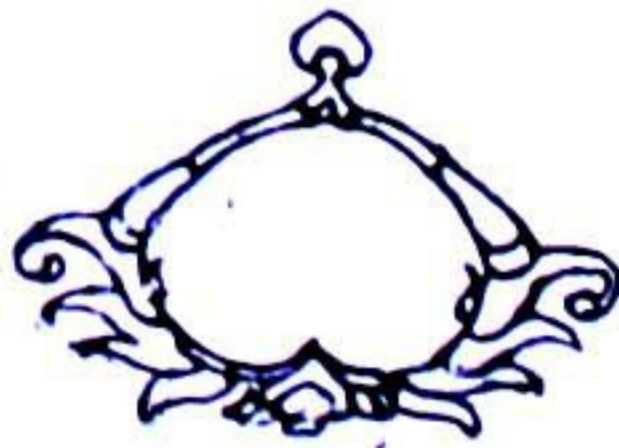
سوال | کسی شخص نے شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ یہ جو احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

دعوة اخي ذي النون لا يرع بھائی حضرت یونس علیہ السلام
 الہ الا انت سبحنک انی کی دعا لا الہ الا انت سبحنک انی
 کنت من الظلمین مادعا کنت من الظلمین کے ذریعے
 بھا مکرو ب الا فوج اللہ جو کوئی بھی مصیبت زدہ دعا کرے گا
 کسبتہ تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت دور
 کر دے گا۔

حضرت! آپ فرمائیں اس بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے۔ اس سلسلہ میں
 چند سوالات پیدا ہوتے ہیں ان کا جواب باصواب دے کر ممنون فرمائیں۔ عند اللہ
 ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔ سوالات درج ذیل ہیں:-

- ۱۔ ان الفاظ کو لفظ دعا سے تعبیر کرنے کے کیا معنی ہیں؟
- ۲۔ دعا کے ان الفاظ میں مصیبت دور کرنے کی کون سی طاقت ہے؟
- ۳۔ جب آدمی یہ الفاظ منہ سے نکالے تو کیا ان کے ذریعے درجہ پذیرائی حاصل کرنے کے لیے کسی باطنی شرط کا ہونا لازمی ہے؟
- ۴۔ مصیبت دور کرنے کی خاصیت ان الفاظ میں کیوں بکھر رکھی گئی ہے؟

- ۵۔ اَنی کنت من الظلمین کے الفاظ کو توجید کے ساتھ کونسی مناسبت ہے جس کی بنا پر ان دونوں کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا گیا ہے؟
- ۶۔ کیا توبہ کی مقبولیت کے لیے صرف اپنے گناہ کا اعتراف کر لینا ہی کافی ہے یا آئندہ کے لیے گناہ کے ترک کرنے کا پختہ ارادہ کرنا بھی شرط ہے؟
- ۷۔ اس میں کیا راز ہے کہ مصیبت اسی صورت میں دور ہوتی ہے کہ آدمی تمام مخلوقات سے اپنی امید و بیم کا رشتہ بالکل منقطع کر لے اور اللہ کے سوا کسی سے امید وابستہ نہ رکھے؟
- ۸۔ مخلوقات سے تعلقات قطع کرنے اور کلیتہً خدائے واحد سے رشتہ جوڑنے کی کیا تدبیریں ہیں؟
- انہ سوالات کا جواب دے کر عند اللہ ماجد ہولہ۔ انہ ساری باتوں کا جواب شرع متینہ کے مطابق بیان فرمائیے اور اسے کاجر اللہ تعالیٰ سے پائیے۔
- جواب** | شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ نے اس کے جواب میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو امام مدوح کے الفاظ میں پیش خدمت ہے۔ مطالعہ کریں اور اسرار و رموز سے واقفیت حاصل کریں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دُعائے یونس کی معنوی نسبت

دعا بمعنی عبادت اور سوال | لفظ دعا اور دعوت کا استعمال قرآن کریم میں دو مختلف معانی میں ہوا ہے۔ ایک عبادت اور دوسرا سوال کے معنی میں۔ جن آیتوں میں دعا کا لفظ عبادت کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں! غیر اللہ کی عبادت کے رد میں فرمایا:

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا | (اے نبی!) آپ اللہ کے ساتھ کسی
اٰخَرَ فَتَكُوْنُ مِنَ الْمُعَذِّبِیْنَ | دوسرے کی عبادت نہ کریں ورنہ آپ
الشعراء: ۲۱۳ | بھی عذاب پانے والے ہو جائیں گے۔

وَ مَنْ يَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا | جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود
اٰخَرَ لَا بُنْ حَانَ لَهُ بِهٖ فَاِنَّمَا | کی پرستش کرتا ہے جس کی اس کے
حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا | پاس کوئی سند نہیں تو اس کی جوابدہی
يُفْلِحُ الْكٰفِرُ اِنَّ | اس کے پروردگار کے پاس ہوگی۔

۱۔ یہاں سے پہلے سوال کا جواب شروع ہوتا ہے۔ 39401

<p>(اللہ کا فیصلہ ہے کہ) کافر بجا نہیں پاتے (اے نبی!) آپ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہ کریں اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔ اس کی ذات کے سوا سب چیزیں ہلاک ہونے والی ہیں۔ وہی بادشاہ ہے جس کے حضور تم کو حاضر ہونا ہے۔</p>	<p>(المومنون: ۱۷)</p> <p>وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ○</p> <p>(القصص: ۱۸)</p>
---	---

خدا کی عبادت کرنے کی ترغیب دلانے کے لیے فرمایا:

<p>جب اللہ کا بندہ (نبی) اس کی عبادت کرنے کو کھڑا ہوتا تو وہ ایک دوسرے پر گرسے پڑتے تھے (انبوہ در انبوہ جمع ہوتے)</p>	<p>وَ أَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا (الحج: ۱۹)</p>
---	--

شیطان کی عبادت کرنے سے ڈرانے کی خاطر فرمایا:

<p>(بیشتر لوگ) اللہ کے سوا بتوں کی پرستش کرتے ہیں (جن کو وہ عورتیں تصور کرتے ہیں) درحقیقت وہ شیطان مردود کی پوجا کرتے ہیں۔</p>	<p>إِن يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ إِنَّا نَاوٍ إِن يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَّرِيدًا ○ (النساء: ۱۱۷)</p>
---	--

سچی عبادت کی تلقین اس طرح فرمائی:

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ | اللہ ہی کی عبادت سچی عبادت ہے جو

لہ کادو ا یکوئون علیہ لبدا کے معنی ہیں، وہ یکے بعد دیگرے صفیں بانڈھ کر کثرت اثر و عام سے اس
 پر گرسے پڑتے ہیں کہ قرآن سنیں یا عجیب چیز سمجھ کر جمع ہوتے اور بھڑکتے۔ اس سے مراد جنوں
 کی جماعت ہے اور مومنوں کو ترغیب دلاتی ہے۔ (مترجم)

يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا
يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ شَيْءٌ
إِلَّا كَبَاسِطٍ كَفِيهِ إِلَى الْمَاءِ
لِيَبْلُغَ فَاةً وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ
وَمَا دُعَاءُ الْكٰفِرِينَ إِلَّا
فِي ضَلٰلٍ (الرعد: ۱۴)

لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں وہ
ان کی دعا کا جواب نہیں دیتے مگر مثل
اس آدمی کے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی
کی طرف پھیلائے کہ اس کے منہ میں
میں پہنچنے والا نہیں ہے۔ کافروں کی
عبادت برباد اور رائیگاں جاتی ہے۔
اور غیر اللہ کی عبادت نہ کرنے والوں کے بارہ میں فرمایا:-

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ
اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ
النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا
بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ
(الفرقان: ۶۸)

جو لوگ اللہ کے ہمراہ کسی دوسرے معبود
کی عبادت نہیں کرتے اور جس جان
کو مارنے سے منع کیا گیا ہے اسے
نہیں مارتے مگر سچائی کے ساتھ اور
نہ وہ زنا کرتے ہیں۔

اسی سورہ کے آخر میں فرمایا:-

قُلْ مَا يَعْجُبُ بِكُمْ رَبِّي
لَوْلَا دُعَاءُكُمْ
(الفرقان: ۷۷)

دعا اور صلوة کا تسمیہ | یہاں لَوْلَا دُعَاءُكُمْ ایک بہت قوی جملہ ہے کیونکہ
اس میں مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔ اگر مفعول کی طرف اضافت ہوتی
تو بات اتنی زوردار نہ ہوتی۔ لہذا اس کے معنی یہ ہوتے کہ اس کی عبادت کرو اور اسی
سے سوال کرو۔

اسی کے ساتھ فرمایا ہے:-

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ
لِزَامًا ○ (الفرقان: ۴۷)
تم نے چونکہ اس کی تکذیب کر دی ہے
لہذا عتق تیب اس کا عذاب لازم ہو
جائے گا یعنی جھٹلانے والوں کے لیے
عذاب لازم ہے۔

لفظِ صلوة بھی اصل میں لفظِ دعا ہے اور اس کا نام صلوة اس بنا پر رکھا گیا کہ اس کے
مفہوم میں دعا کے دونوں معنی شامل ہیں، عبادت کرنا اور سوال کرنا۔ لفظِ صلوة کی اس
تفسیر کی فرمانِ الہی سے بھی تائید ہوتی ہے۔

قَالَ رَبُّكُمْ اَدْعُوْنِي
اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: ۶۰) | کرو۔ میں تمہاری دعا قبول کرتا ہوں۔
تمہارا پروردگار فرماتا ہے، تم مجھ سے دعا
دوڑو جہوں سے ایسا کہا گیا ہے ایک یہ کہ تم میری عبادت کرو اور دوسری یہ کہ میرے
حکم کی تعمیل کرو۔ تم ایسا کرو گے تو میں تمہاری بات کو شرفِ قبولیت بخشوں گا۔ جیسا کہ
دوسری جگہ بیان ہے:-

وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
(شوری: ۲۶) | اللہ ان لوگوں کی دعا قبول کرتا ہے
جو ایمان دار اور نیک عمل کرنے والے
ہیں۔

یعنی استجاب لہم اللہ تعالیٰ انہیں مقبولیت سے مشرف فرمائے گا۔
تو گویا یہ بات واضح ہے کہ لغتِ عرب میں دعا کا لفظ بمعنی عبادت بھی استعمال
ہوتا ہے اور بمعنی سوال و طلب بھی، جو محتاجِ ثبوت نہیں کیونکہ دعا کے معنوں و
تبادر معنی ہی ہیں، جیسا کہ استجابہ و استجاب لہ کے متعلق شاعر کہتا ہے:-

وَ دَاعٍ يٰمَنْ يٰجِيبُ اِلَى النِّدَايِ
فَلَمْ يَسْتَجِبْهُ عِنْدَ ذَاكَ مَجِيبٌ

ترجمہ :- پکارنے والے نے کہا اسے نداؤں کے سننے والے! وہ تجھ سے کیوں نہ مانگے جب تو قبول کرنے والا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ تم مجھ سے مانگو تو میں تم کو دے دوں گا۔ فرمایا:

سَلُّوْا عَلٰی اَعْظَمِكُمْ | مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا۔

صحیحین میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يُنزِلُ رَبُّنَا كُلَّ لَيْلَةٍ

إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ

يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرِ

فَيَقُولُ مَنْ يَدْعُونِي

فَأَسْتَجِيبُ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي

فَأُعْطِيهِ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي

فَأَغْفِرُ لَهُ

ہمارا پروردگار ہر ایک رات آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے جب کہ رات کا ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے پھر فرماتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کر لوں گا، کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کا سوال پورا کر دوں۔ کوئی ہے جو مغفرت کا طلبگار ہو کہ میں اسے بخش دوں؟

سائل اور داعی | اس حدیث میں بھی سب سے پہلے لفظ دعا کا ذکر ہے اور اس کے

بعد سوال اور استغفار کا ذکر ہے اور بخشش مانگنے والا بھی ایک سائل کی حیثیت رکھتا ہے

جیسا کہ ایک سوال کرنے والا بھی ایک داعی ہے، لیکن برائی دفع کرنے والے سائل

کا ذکر، طالب خیر کے سوال کے ذکر کے بعد کیا ہے اور پھر ان دونوں کا اکٹھا ذکر لفظ

داعی کے بعد کر دیا ہے جو نہ صرف ان دونوں کے معنوں پر اطلاق رکھتا ہے بلکہ ان کے

علاوہ اور معنوں پر بھی حاوی ہے۔ پس یہ ایک خاص بات کو عام سے معطوف کرنے کی

قسم سے ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (البقرہ: ۱۸۶)

(اے نبی! جب میرا بندہ آپ سے میری بابت سوال کرے تو (فرا دیکھے) میں نزدیک ہی ہوں۔ پکارنے والے کی دعا کو سن لیتا ہوں جب بھی وہ بلا تاخیر

عبادت اور سوال کا باہمی ربط | عبادت اور سوال دعا کے دونوں معانی میں ایک قسم کا ربط پایا جاتا ہے، کیونکہ ہر ایک شخص جو کسی چیز کا سوال کرتا اور اس کا طلب گار ہوتا ہے اس میں رغبت اور خوف کی صفت پائی جاتی ہے۔ نیز جس سے سوال کرتا ہے اس کے آگے اپنے آپ کو ذلیل کرتا اور اس کے سامنے جھکتا ہے اور عبادت کا بھی قریب قریب یہی مفہوم ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی کی عبادت کرتا ہے وہ اس سے حصولِ مطالب کا امیدوار ہو کر اس کی بارگاہ میں راغب ہوتا ہے اور اس کے جی میں ناکامی کا بھی خطرہ لگا رہتا ہے۔

عابد اور سائل | الغرض ہر ایک عابد سائل ہے اور ہر ایک سائل عابد۔ اور عبادت اور سوال دونوں لازم ملزوم ہیں اور اسی لیے ہر ایک لفظ ان میں سے الگ الگ استعمال ہو تو وہ دونوں معانی کے لیے استعمال ہونے کا احتمال رکھتا ہے لیکن جب دونوں لفظ ایک ہی موقع پر استعمال ہوں تو سائل کے لفظ کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے الفاظ کے ذریعے کسی نفع کے حاصل کرنے یا کسی نقصان سے بچنے کا خواہش مند ہے لیکن ایک عابد کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ حکم کی اطاعت کر کے اپنے مدعا کا خواہاں ہوتا ہے لیکن اس کے الفاظ میں صریح سوال اور الفاظ کی شکل میں درخواست نہیں ہوتی۔

لہٰذا کیونکہ وہ کامیابی کے حصول میں راغب اور اس کے عدم حصول سے خائف و ہراساں رہتا ہے

عبادت کا نصب العین

رغبت اور خوف جو لوگ خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لیے عبادت کرتے ہیں، وہ بھی رغبت اور رہبت اور خوف درجہ سے خالی نہیں۔ اپنی اور کے پورا ہو جانے کی رغبت رکھتے ہیں اور اس کے فوت ہو جانے سے ہراساں رہتے ہیں۔ انبیائے کرام اخلاص کے اعلیٰ ترین مقامات پر فائز تھے، بایں ہمہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں ان کی عبادت کے نصب العین کو رغبت اور خوف سے تعبیر فرماتا ہے۔

إِنَّهُمْ كَانُوا إِسْرَاعُونَ
فِي الْخَيْرَاتِ وَ يَدْعُونََنَا
مَاعِبَاءً وَ رَهْبًا وَ كَانُوا
لَنَا خَاشِعِينَ ○

بیشک یہ پیغمبر نیکوں کے بحالانے
میں نہایت مستعدی سے کام لیتے
تھے اور رغبت اور خوف کے محرک
سے متاثر ہو کر وہ ہماری عبادت میں
مشغول رہا کرتے تھے اور ہماری ہی
بارگاہ میں وہ عاجزی کرتے تھے۔

(الانبیاء: ۹۰)

ایک دوسری جگہ پر مقربین بارگاہ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔

تَسْجَا فِي جُنُودِهِمْ عَنِ
الْمَصَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ
خَوْفًا وَ طَمَعًا وَ مَسَا
رَن قَنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ○

(رات کو عبادت کرتے وقت ان
کے پہلو اپنے نرم بستروں سے جدا ہو
جاتے ہیں اور وہ بیم و امید کے جذبات
سے اپنے خدا کی عبادت میں مشغول
رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو ذوق

عطا فرمایا ہے، اس سے (راہ خدا میں)

خرچ کرتے ہیں۔

(الم سجدہ: ۱۶)

خوف ورجاء | بعض مشائخ طریقت سے منقول ہے کہ خوف ورجاء عوام کے مقامات سے ہے۔ اور اس طرح یہ تشریح کی گئی ہے کہ مقربین کے مد نظر صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے اور وہ کسی مخلوق پیر سے لذت حاصل کرنے کے خواہشمند نہیں ہوتے، لیکن وہ بہر حال کسی مدعا کے حصول کے خواہاں اور اس کے محروم رہ جانے کے اندیشہ سے لرزاں رہ جاتے ہیں۔ خواہ ان کا مصلح نظر کتنا بلند اور مقصد کتنا اعلیٰ وارفع ہوتا ہے۔

دوزخ اور جنت | بعض مشائخ سے یہ بھی منقول ہے کہ:-

”بارِ خدایا! میں نے جنت کے حصول کی خاطر یاد دوزخ سے ڈر کر تیری

عبادت نہیں کی۔“

اس قول کے قائل کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ جنت جسمانی خطوط کا نام ہے اور دوزخ کا مفہوم ظاہری عذاب تک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم آخرت میں جتنی جسمانی اور روحانی نعمتیں اپنے پیارے بندوں کے لیے تیار کر رکھی ہیں وہ سب جنت کے مفہوم میں داخل ہیں اور دوزخ اس کی ضد ہے۔

اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کا رتبہ سب سے بڑھ کر ہے، ہمیشہ

اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتے اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے جیسا کہ

لہ طریقہ نقشبندیہ کے ایک مشہور مقتدا امام ربانی علیہ الرحمۃ نے جو مجد والف ثانی کے لقب سے معروف ہیں۔ اپنے مکتوبات میں بعینہ ہی تقریر لکھی ہے۔ یہ حوالہ دینے سے میرے دو مقصد ہیں۔ ایک یہ کہ جو لوگ حضرت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور ان کے عقیدت مندوں کو اولیاء اللہ کا منکر خیال کرتے ہیں وہ خود مشائخ طریقت کے کلام میں ان کا مضمون پڑھ لیں۔ دوسرے یہ کہ بعض اہل حدیث سب مشائخ کو ایک جیسا خیال کرتے ہیں، ان کو بھی یہ غلط فہمی دور ہو۔ (مترجم)

حدیث میں وارد ہے کہ آپ کے اصحاب نے دریافت کیا کہ آپ اپنی نماز میں کیا پڑھتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا:-

إِنِّي أَسْأَلُ الْجَنَّةَ وَ أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ النَّارِ
میں جنت کا سوال کرتا ہوں اور دوزخ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔
نیز آپ نے فرمایا کہ:-

”ایسی آواز سے بات کرنا کہ سمجھ میں نہ آسکے، ایسی گھنگناہٹ کو میں پسند نہیں کرتا“
جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے:-

أَفِي لَأَحْسَنَ دَعْوَةٍ تَدْعُكَ الْإِلَهَ مَعَاذَ فَتَالِ حَوْلَمَا نَدْنُ
دیدارِ خداوندی اور علمائے کرام | بعض علماء کرام یہ کہنا قابل اعتراض خیال کرتے ہیں کہ
اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ لَذَّةَ الْبُحْرِ خَدَايَا فِي مِثْلِ تَجْدٍ مِنْهُ يَدْرُخُ الْبَحْرَ
کرتا ہوں کہ مجھ کو اپنے دیدار کی لذت سے بہرہ ور فرما۔

ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے لذت حاصل کرنا کچھ بے معنی سی بات ہے۔ کیونکہ لذت ہمیشہ کسی محسوس اور جسمانی چیز سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ان چیزوں سے بالاتر ہے۔

یہ خیال بھی بالکل باطل ہے اور ان لوگوں کو بھی پہلے فریق کی طرح جنت کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوتی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ پہلے فریق کی طلب اور درخواست ٹھیک ہے۔ برخلاف اس کے مؤخر الذکر جماعت نے ایک جائز درخواست کا انکار کیا اور اس کو قابل اعتراض خیال کیا ہے۔



عزیمت کا اظہار

اکابر طریقت کا قول | دوزخ کے عذاب سے درد محسوس کرنا حقیقت اور امر واقع ہے جس کی برداشت انسان کی طاقت سے بالاتر ہے رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ج

اور یہ جو بعض اکابر طریقت کا قول نقل کیا گیا ہے کہ۔

” اگر مجھ کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں بھی ڈال دے تو اس پر میں راضی ہوں گا۔“

یہ ایک عزیمت کا اظہار ہے، لیکن بعض اوقات حقیقت کے رونا ہونے پر عزیمت قائم نہیں رہتی۔ جیسا کہ سمون علیہ الرحمۃ ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ انہوں نے ایک مرتبہ کہا تھا:

و لیس فی سوالک حفظ	مجھ کو تیرے بغیر کسی چیز سے لطف
فکیف ما شدت فامتحنی	حاصل نہیں ہوتا، اس لیے جس طرح
	مجھ کو چاہے مجھے آزمائے۔

اس کے بعد وہ عسر البول کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے، تب ان کی آنکھیں کھلیں پچانچہ وہ مدرسوں اور مکتبوں میں جا کر معصوم بچوں سے دفع تکلیف کے لیے دعا کرتے پھرتے اور ان سے کہتے کہ۔

”اپنے جھوٹے چچا کے لیے دعا کریں۔“

شہادت قرآنی | کلام پاک میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ | بیشک تم موت سے ملاقاتی ہونے

المَوْتِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ
فَقَدْ نَأَيْتُمُوهَا وَأَنْتُمْ
تَنْظُرُونَ ○ (آل عمران، ۱۴۲) | دیکھ لیا۔
سے پیشتر اس کے خواہاں تھے،
لیکن اب تم نے اپنی آنکھوں سے

الغرض کسی چیز کا تصور باندھ کر کوئی ارادہ کر لیا اور بات ہے اور حقیقت کا ظہور میں
آنا کچھ اور بات ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ | بعض اصحاب تصوف نے مقامات کے پوشیدہ نقائص پر
بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”محبت و رضا اور خوف و رجاء عوام کے مقامات ہیں۔ واصل حقیقت
جب دیکھتا ہے کہ جو کچھ بھی دنیا میں ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تو
اس کے دل سے اوہام نکل جاتے ہیں۔“

لیکن یہ قول سراسر غلط اور حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص
جو زندہ ہے کسی مرغوب چیز کی محبت یا مبغوض چیز کی نفرت اپنے دل میں محسوس نہ کرے
اور اگر کوئی یہ کہے کہ انسان زندہ اور صاحبِ حواس ہو کر کائنات کے نیک و بد کو ایک جیسا
محسوس کرتا ہے تو ایسا کہنے والا یا تو جاہل مطلق ہے کہ جو کچھ منہ سے کہتا ہے اس کی حقیقت
کا تصور نہیں کر سکتا۔ یا مکار ہے اور حقائق کے وجود کا دانستہ انکار کرتا ہے۔

مقام فنا اور دعوائے محویت | اگر فرض کر لیا جائے کہ بعض حالتوں میں انسان کی
عقل زائل ہو جاتی ہے جس کو محویت اور فنا وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے تو ایسے شخص
کا بھی احساس بالکلیۃ زائل نہیں ہوتا۔ بلکہ موافق اور مخالف کے حُب و بُغض کا احساس
فی الجملہ اس میں قائم رہتا ہے اس لیے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ توحید افعال اور توحید ربوبیت
کا مشاہدہ کرانے والے جمع اور فنا کے مقام پر فائز ہو کر کسی موافق اور مخالف چیز کی بابت
حُب اور بُغض یا رغبت اور نفرت کا بالکل احساس نہیں کرتے۔ دو مختلف چیزوں

میں فرق محسوس کرنا ناگزیر ہے اور اگر آدمی اس فرق کو محسوس نہ کرے جو شریعت نے بیان کیا ہے تو لامحالہ وہ طبعاً مختلف اشیاء اور مختلف امور میں فرق محسوس کرے گا اور اس حالت میں وہ اپنے مولیٰ کی مرضی کے تابع ہونے کی بجائے اپنی ہوائے نفس کا پیروکار ہوگا۔

شیخ جنید بغدادیؒ | یہی وجہ ہے کہ جب یہ فنا اور محویت کا مسئلہ شیخ جنید بغدادیؒ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے تصریح فرمائی کہ توحید افعال کا مشاہدہ کرتے ہوئے مخطور اور مامور میں فرق کرنا اور جن باتوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور جن کو ناپسند سمجھتا ہے ان میں امتیاز کرنا لازم ہے۔ لیکن اگر کوئی شرعی فرق کو اڑا دے تو وہ یقیناً دائرہ اسلام سے خارج ہوگا اور بطحاظ شریعی وہ عام کافروں سے بدتر ہوگا۔ کیونکہ یہی لوگ ہوتے ہیں جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے اشخاص میں تمیز نہیں کرتے بلکہ دونوں کو برابر سمجھنے لگتے ہیں اور رفتہ رفتہ وحدت وجود کے قائل ہو کر خالق اور مخلوق کا فرق بھی اٹھا دیتے ہیں اور دونوں کو ایک سمجھتے ہیں۔

تمام سب کا یہ انجام نہیں ہوتا بلکہ اکثر ان میں سے فی الجملہ فرق کو قائم رکھتے ہیں۔ اور اس لیے کبھی تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں اور کبھی نہیں۔ ان امور کی تفصیل کے لیے یہ جگہ نہیں۔

یہاں پر بتانا یہ تھا کہ دعا کا لفظ ہر دو معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اِخْوُ دَعْوَاهُمْ اِنَّ الْحَمْدُ	اور اہل جنت کی دعا کا خاتمہ یہ ہوگا
لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○	کہ تمام تعریف اور ثناء اللہ تعالیٰ کے لیے
(یونس: ۱۰)	مخصوص ہے جو تمام عالموں کا پروردگار ہے

آیتِ کریمہ کی خاصیت

ارشاداتِ نبویؐ | ابن ماجہ کی ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ سب سے اچھا ذکر لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے بہتر دعاء الحمد للہ ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے (جس کو سائل نے اپنے سوال میں ذکر کیا ہے) کہ یہ میرے بھائی یونس علیہ السلام کی دعا ہے، یعنی:-

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ (اے پروردگار!) تیرے سوا کوئی معبود
إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ | نہیں ہے اور بیشک میں (اپنے حق
(الانبیاء: ۸۶) | میں) ظالم ہوں۔

اگر کوئی مصیبت زدہ ان الفاظ میں دعا کرے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت کو دور کر دے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یونس علیہ السلام کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات کو دعا کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، کیوں کہ وہ دعا کے دونوں معانی پر مشتمل ہیں۔

اس کا پہلا حصہ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ توحید الوہیت کا اعتراف ہے اور یہ اعتراف دعا کے ہر دو معانی کو شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس سے قضائے حاجات کی بابت سوال کیا جائے لے

لے شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں یعنی اپنی تصنیفات میں اور نیز اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں مختلف جگہوں پر توحید الوہیت اور توحید بوبیت کا فرق نہایت شد و مد کے ساتھ (بقیہ برص) (۳۵)

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا کا دوسرا حصہ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ اپنے گناہ اور قصور کا اقرار ہے جس کے ضمن میں طلبِ مغفرت کا سوال مضمون ہے، کیونکہ سائل کبھی تو اپنے سوال میں صریح طلب کا استعمال کرتا ہے جیسے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ اور کبھی صرف اخبار کو سوال کا ذریعہ بناتا ہے۔

سوال کی مختلف صورتیں | سوال کی پھر کئی صورتیں ہیں:

اول: یہ کہ اپنے حال کا اظہار کیا جائے۔

دوم: جس سے سوال کیا جائے اس کی کوئی مناسب حال صفت بیان کر دی جائے۔

سوم: بعض اوقات ان دونوں کا بیان ہوتا ہے۔

پہلے صورت کی مثال حضرت یونس علیہ السلام کا مندرجہ بالا قول ہے یا

جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

مَا بَنَّا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ
لَّمْ نَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا
| پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا
| اب اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم

(بقیہ حاشیہ ۳۴) بیان فرمایا ہے ان کے کلام کا ملخص یہ ہے کہ توحید کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ تمام دنیا کا خالق و رازق ایک ہے اور وہ قادر مطلق ہے۔ اس کا نام توحید ربوبیت ہے اور مشرکوں کو بھی اس سے انکار نہیں جیسے کہ قرآن مجید میں کثرت سے اس عقیدہ کا ذکر ہے۔ دوسرے یہ کہ صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود سمجھے، اسی کے سامنے اپنا سر جھکائے، اسی سے قضائے حاجات کی بابت درخواست کرے۔ اسی کی ذات پاک پر اس کا بھروسہ ہو اور اسی کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھے۔ اس کو توحید الوہیت کہتے ہیں اور اسی توحید کی تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے تعلیم دی ہے۔ قرآن کریم نے بھی جا بجا اسی توحید کی طرف لوگوں کو بلا یا ہے اور بغیر اس کے آدمی مسلمان نہیں ہوتا۔ (مترجم)

لَسَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ | نہ فرمایا تو ہم یقیناً نقصان اٹھالے والے
(الاعراف: ۲۳)

ان ہر دو اقوال میں اپنی حالت کا بیان ہے اور ضمناً طلبِ مغفرت چاہی ہے اگرچہ
بظاہر کوئی ایسا لفظ نہیں بولا، محض ایک خبر بیان کی ہے کہ عدمِ مغفرت اور کرمِ نوازی
سے تشاؤ کام نہ فرمانا موجبِ خسراں ہوگا۔

اسی قبیل سے حضرت نوح علیہ السلام کا اقبالِ بصرم بھی ہے کہ انہوں نے کہا:

رَبِّ اِنِّیْٓ اٰتٰیٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ
اَسْئَلْكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ | پروردگارا! میں تیری پناہ میں آتا ہوں
وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْ | کہ میں نے تجھ سے ایک ایسی بات کا
اَكُنْ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ | سوال کیا جس کا مجھے علم نہ تھا اگر تو
میں سے نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو
میں زیاں کاروں میں ہو جاؤں گا۔
(ہود: ۲۷)

اس میں بھی بیانِ خبر طلبِ مغفرت کو شامل ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا
قول ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ
اِلَیَّ مِنْ خَیْرِ فَقِيْرٌ ۝ | پروردگارا! میں اس نعمت کا محتاج
ہوں جو تو میری طرف اتار دے۔

یہ ان کے حال کی ہو بہو تصویر ہے۔ نزولِ خیر اور برکتِ خداوندی کا محتاج ہونا
ہی ایک سوال ہے جو رحمتِ الہی کو کھینچ کر لاتا ہے۔ امام ترمذی نے روایت کی
ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ شَغَلَتْ قِرْآءَةُ الْقُرْآنِ
عَنْ ذِكْرِیْ وَ مَسْأَلَتِیْ | جس شخص کو تلاوتِ قرآن نے میری
یاد اور سوال کرنے سے غافل کر دیا
اَعْطَيْتُهُ اَفْضَلَ مَا | ہو۔ میں اسے تمام سائلوں سے بھی

اُعْطِيَ السَّائِلِينَ | زیادہ عنایت کر دیتا ہوں۔
دوسری صورت کی توضیح اس مثال سے ہو سکتی ہے کہ ایک شخص اپنے
گناہوں کا تصور کرنے کے لیے:

اللَّهُمَّ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ | خدایا اب بے شک تو ہی بخشنے والا
الرَّحِيمُ | مہربان ہے۔

تیسری صورت کی مثال یہ ہے:

اللَّهُمَّ اِنَّا الْمَذْنِبُونَ وَ | خدایا! میں گناہگار ہوں اور تو بخشش
أَنْتَ الْغَفُورُ | و مغفرت کرنے والا ہے

حضرت سفیان سے سوال و جواب | سفیان بن عیینہ سے پوچھا گیا کہ ایک حدیث

میں داروہ ہے کہ عذرہ کے دن سب سے بہتر دعا یہ ہے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا | خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں
شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ | وہ یگانہ ہے کوئی اس کا شریک نہیں
الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ | بادشاہی بھی اسی کی ہے اور حمد و ثنا
قَدِيرٌ | کا مستحق بھی وہی ہے اور وہ ہر چیز
پر قادر ہے۔

حضرت سفیان نے پہلے تو یہ حدیث قدسی ذکر فرمائی کہ:

مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِي عَنْ | جس شخص کو میری یاد کی مشغولیت
سَأَلْتِي أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ | نے سوال کرنے سے غافل کر دیا ہو
مَا أُعْطِيَ السَّائِلِينَ | میں اس کو تمام سائلوں سے زیادہ
بخش دیتا ہوں۔

اس کے بعد آپ نے امید بن ابوصلت کے ان اشعار کا حوالہ دیا جن میں اس نے

ابن جدعان کی مدح سرائی کی ہے:

۶ اذکر حاجتی ام قد کفانی جباؤک ان شیمتک المباء
 اذا اثنی علیک المرء یوما کفاه من تعرضه الشناء
 ترجمہ:۔ میں نہیں جانتا کہ میں اپنی حالت کا اظہار کروں یا تیری بخشش کا
 دریا خود بخود موجزن ہو گا۔ کیونکہ بخشش تیری فطرت میں داخل ہے۔
 جب کبھی کوئی آدمی تیری مدح سرائی کرتا ہے تو پھر وہ طلب اور سوال
 کا محتاج نہیں رہتا۔

سفیان نے یہ شعر پڑھ کر فرمایا:

”یوہ ایک آدمی ہے جو اپنے جلیے ایک آدمی کی تعریف کر رہا ہے
 اور خالق تعالیٰ کی شان تو اس سے بہت ہی بالاتر ہے“

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعائے مانثرہ بھی اسی نوع میں شامل ہے۔

اللهم لك الحمد واليك	خدایا! تعریف و تحمید کا مستحق تو ہی
المشكی و انت المستعان	ہے۔ تیری طرف میرا شکوہ ہے
وبك المستغاث و عليك	تو ہی میرا مددگار ہے تجھی سے میری
التکلون	فریاد ہے اور تجھی پر مجھے بھروسہ ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا | حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیف جب

انتہا تک پہنچ گئی تو انہوں نے رفع شدت کے لیے ان الفاظ میں دعا کی:

أَنْتِ مَسْنِي الضُّرِّ وَأَنْتِ	بار خدایا! مجھ کو سخت تکلیف پہنچی
أَمْ حَمْرُ الرَّاحِمِينَ	ہے اور تو سب مہربانوں سے زیادہ
(الانبیاء: ۸۳)	مہربان ہے۔

یہ کنایہ سوال کرنے کی تیسری صورت ہے۔ اس میں سائل نے اپنے حال

کا بھی اظہار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ایک مناسب حال صفت کے ساتھ تعریف بھی کی ہے جس کے ضمن میں اس بات کی درخواست ہے کہ وہ اپنی رحمت کاملہ سے اس کی تکلیف کو رفع فرمادے اور یہ ایک پیرایہ بیانِ خبریہ ہے جس میں معنوی طور پر سوال اور طلب شامل ہے۔

پیرایہ حسنِ ادب اس قسم کے سوال میں حسنِ ادب پایا جاتا ہے جیسا کہ کوئی شخص جو کسی کے ساتھ حسنِ ادب اور تواضع سے پیش آئے اور اس کے کہ میں بھوکا ہوں میں بیمار ہوں۔ اس سے اس کا عیہ ہوتا ہے کہ مجھے کھانا کھلاؤ اور میرا علاج کرو۔

اسی طرح اگر الفاظ کے ذریعہ سے سوال کی طلبِ صادق اور سوال کے قطعیت کا تقاضا ہوگا تو ضروری ہے کہ سائل کے حالات اور اس کی پوزیشن کو واضح طور پر ظاہر کر کے بتلایا جائے کہ اس کا عجز و نکتہ اس حد کو پہنچ چکا ہے کہ اس کی حاجت براری کرنا چاہیے اور یہ بات پوری توجہ سے کام لے بغیر انجام نہیں پاسکتی اس لیے لفظوائے الکناية ابلغ من التصريح وہ سوال اور درخواست کی ایک موکد ترین صورت ہے البتہ صریح سوال اور صیغہ طلب میں اپنے مقصد کا اظہار زیادہ واضح ہوتا ہے۔ اس لیے اکثر دعاؤں میں یہی صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔

جامع ترین دُعا اس لیے اگر کوئی دعا سائل اور مسئول دونوں کا حال بیان کر دینے پر مشتمل ہوگی، تو وہ دعا کی جامع ترین صورت ہوگی کیونکہ ایسی دعا سائل کے حال کی اطلاع اور مسئول کے حال کے علم کی حامل ہوتی ہے جو دعا کی قبولیت کی ضامن ہوتی ہے جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ کو کسی ایسی

دعا یہ علم بیان کا ایک اصول ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی بات کو صریح نہ کہنا بلکہ کنایہ کے ساتھ کہنا جو مقابلہ صریح اظہار مقصد کے بلیغ تر اور زیادہ موثر ہوتا ہے۔ (مترجم)

دعا کی تعلیم دیجئے جس کو میں اپنی نماز میں پڑھا کروں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہ دعا سکھائی:

<p>بار خدایا! میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے اور تو ہی گناہوں کا بخشنے والا ہے۔ اپنے ہاں سے مجھ کو مغفرت عنایت فرما اور مجھ پر رحم کر بیشک تو بخشنے والا مہربان ہے۔</p>	<p>اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الدُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاعْفُ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ</p>
--	---

اس میں سائل اپنے حال کا اظہار کرتا ہے کہ وہ مغفرت کا محتاج ہے۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بیان کرتا ہے کہ اس کے بغیر کوئی اس کی مطلب براری پر قادر نہیں۔ اس کے بعد صریحاً اپنے مقصد کے متعلق درخواست ہے، اپنے رب کو مغفرت اور رحمت کی صفات سے موصوف ظاہر کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اوصاف درخواست مذکور کو شرف قبولیت بخشنے کے مقتضی ہیں۔ اس قسم کی دعا جامع ترین دعا سمجھی جاتی ہے۔

قرآنی دعاؤں کا خاصہ | الغرض دعا کی یہ تمام قسمیں استعمال میں آتی ہیں اور قرآن کریم میں جو دعائیں مذکور ہیں وہ تمام اقسام کی حامل ہیں۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول کہ:

<p>اے میرے رب! جو کچھ نعمت بھی تو میری طرف نازل فرمائے میں اس کا محتاج ہوں۔</p>	<p>مَا يَأْتِيَنِي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقَبْلُ ○ (القصاص: ۲۴)</p>
---	---

اس میں اپنے حال کا اظہار کیا ہے، دوسری جگہ آپ کا یہ قول منقول ہے:-

مَا يَأْتِيَنِي ظَلَمْتُ نَفْسِي | اے میرے رب! میں نے اپنے

فَاغْفِرْ لِي (التقصص: ۱۶) | آپ پر ظلم کیا ہے پس تو مجھے بخش دے
 اس میں اپنا حال ظاہر کرنے کے علاوہ طلبِ مغفرت کی تصریح ہے۔
 تیسری دعاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سورۃ اعراف میں، ان کی زبان سے
 نقل کی گئی ہے،

أَنْتَ وَ لَيْسْنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَ | تو ہی ہمارا سرپرست اور کارساز ہے
 اَرْحَمْنَا وَ أَنْتَ خَيْرُ | ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما
 الْغَافِرِينَ ○ | تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔

اس میں مسؤل کا حال بیان کیا گیا ہے جو اجابت کا مقتضی ہے۔ اور سامعہ ہی طلب
 کی بھی تصریح ہے۔

بہر حال سوال کی یہ تمام تر قسمیں متعمل ہیں اور ہر ایک قسم کی ایک خاص خصوصیت

ہے۔



درجہ پذیرانی دُعَا رُؤُوسِ عَلَیْهِ السَّلَام

دُعَا کا مخصوص انداز | اب رہا یہ سوال کہ حضرت یونس علیہ السلام نے کیوں اپنی دُعَا میں مقصد کی تصریح نہیں کی؟ اور صرف اپنا حال بیان کرنے پر کیوں اکتفا کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مناسب ہی تھا کہ اپنے حال کا اظہار کرنے پر اکتفا کیا جاتا کیونکہ کلامِ بلیغ وہی ہوتا ہے جو اقتضائے حال کے مطابق ہو۔

یہاں پر مقام کا اقتضا گناہ کا اعتراف اور اس بات کا اظہار ہے کہ جو مصیبت مجھ پر نازل ہوئی ہے، اس کا موجب میرا اپنا گناہ ہے۔ سببِ مغفرت ضمناً مطلوب ہے اس لیے لفظِ سوال سے اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔

رفع تکلیف کا حقیقی ذریعہ | حضرت یونس علیہ السلام جانتے تھے کہ وہ خطا کار اور ستم گار ہیں اور اس تمام مصیبت کی علت حقیقی ان کا اپنا گناہ اور تقصیر ہے۔ اس لیے ظلم اور گناہ کا اعتراف کرنا اور اس پر ندامت کا اظہار کرنا ہی رفع سبب کا موجب ہوگا جو زوالِ مصیبت اور رفع تکلیف کا حقیقی علاج ہے۔ اس کی مزید توضیح لفظ **سُبْحَانَكَ** کی تشریح ہو سکتی ہے۔

عظمتِ الہی کا اعتراف | **سُبْحَانَكَ** میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ (ہر ایک عیب اور نقص سے پاک اور مبرا ہونا) اور اس کی عظمت کا اعتراف ہے۔ بلحاظ مقام کے اس کی تنزیہ کا یہ مفہوم ہے کہ اس کی ذاتِ پاک اس سے منزہ اور برتر ہے کہ کسی پر ظلم کرے یا بغیر

اللَّهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَنْتَ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِي وَاعْتَرَفْتُ بِذُنُوبِي فَاعْفُرْ لِي ذُنُوبِي جَمِيعًا فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ

الہی! تو ہی شہنشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو ہی میرا پروردگار ہے اور میں تیرا غلام ہوں، میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں پس تو میرے تمام گناہ بخش دے، بیشک تیرے سوا گناہ بخشنے والا کوئی نہیں ہے۔

سید الاستغفار کی فضیلت | صحیح بخاری میں سید الاستغفار کی یہ عبارت آئی ہے کہ آدمی یوں کہے،

اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ ابْنُكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَالْعَمُّ بِذُنُوبِي فَاعْفُرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ

بارخدا یا! تو میرا رب ہے۔ سوائے تیرے اور کوئی معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں تیرے عہد و پیمانے اور وعدے پر قائم رہا ہوں، جو برائیاں میں نے کیں ان کے شر سے تجھی سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں اپنے اوپر تیری نعمتوں کا اعتراف کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا بھی مجھے اقرار ہے تے تے خدا تو مجھے بخش دے، بیشک تیرے سوا اور کوئی نہیں جو گناہوں کا بخشنے والا ہو۔

اس کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ:-

”جس شخص نے صبح کے وقت اس کو پڑھا، بشرطیکہ اسے ان الفاظ پر یقین ہو اور پھر وہ اسی دن مر جائے تو وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس شخص نے اس کو شام کے وقت پڑھا بشرطیکہ اس کو ان الفاظ پر یقین ہو اور پھر وہ اس رات میں مر جائے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔“

عدل اور احسانِ خداوندی کا اعتراف | الغرض آدمی کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عدل اور احسان کا اعتراف کرے کیونکہ وہ کسی پر بھی ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا اور کسی کو بغیر اس کے اپنے کیے ہوئے جرم کی سزا نہیں دیتا۔ اس کے احسانات اور بندہ نوازیوں کا سلسلہ غیر منقطع ہے اس کی طرف سے جو عقوبت اور عذاب نازل ہو وہ عین عدل ہے اور اگر وہ کسی کو اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمائے تو یہ اس کا احسان اور فضل ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْإِسْلَامُ كَالْمَقْنُونِ

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ کے یہ معنی ہیں کہ خدائے تعالیٰ اپنی الوہیت کے اوصاف میں یکتا ہے، اس کا علم ہر ایک چیز پر محیط ہے، اس کی قدرت ہر ایک بات کو شامل ہے اس کی رحمت بے پایاں ہے اور اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ اس کی الوہیت کے اعتراف میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ اپنے بندوں پر متواتر اپنے احسانات نازل فرماتا ہے کیونکہ اس کی الوہیت کے یہ معنی ہیں کہ وہ عبادت کا مستحق ہے جس کا بالفاظِ دیگر یہ مفہوم ہے کہ وہ ان تمام صفاتِ کاملہ کے ساتھ موصوف ہے جن کی وجہ سے وہ اپنے بندوں کے لیے انتہا درجہ کا محبوب ہے اور ان کے دلوں میں اس کی بے حد عظمت ہے اور وہ اس کے سامنے بے انتہا خضوع کرتے ہیں عبادت کے مفہوم میں یہ دونوں باتیں شامل ہیں۔ انتہا درجہ کی محبت اور انتہا درجہ

لَفْظِ سُبْحَانَكَ كَالْمَفْهُومِ

سُبْحَانَكَ کے یہ معنی ہیں کہ وہ ظلم اور دیگر نقائص و عیوب سے پاک اور منزہ ہونے کے علاوہ جلالت اور عظمت کا مستحق ہے، کیونکہ اگر تسبیح کا سادہ مفہوم اس (فات پاک) کا نقائص اور عیوب سے مبرا ہونا ہے جیسا کہ مرسل حدیثوں میں موسیٰ بن طلحہ کی ایک حدیث میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

فِي قَوْلِ الْعَبْدِ سُبْحَانَ | آدمی کے سبحان اللہ کہنے کا مفہوم ہر
اللَّهُ أَنَّهُ بَرَاءَةٌ اللَّهِ مِنَ | برائی سے اللہ تعالیٰ کی برائت کا اظہار
السُّقُوءِ | ہے۔

لیکن فقط نفی، کبھی مدح نہیں تصور کی جاتی ہے، جب تک اس کے ضمن میں کمال کا اثبات نہ ہو، اس لیے ہم کہتے ہیں کہ تسبیح کے مفہوم میں اس کی عظمت اور جلال کا مفہوم بھی شامل ہے۔ قرآن کریم میں عموماً جہاں کہیں اللہ تعالیٰ سے کسی عیب اور نقص کی نفی کی گئی ہے، ساتھ ہی اس کی صفاتِ کاملہ اور اس کے اسماءِ حسنہ کا بھی ذکر ہے، مثلاً ارشاد ہے:

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ | اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی معبود نہیں
لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ | وہی زندہ اور تمام کائنات کو قائم رکھنے
والا ہے اسے نہ کبھی اونگھ آتی ہے اور
نہ نیند۔

(البقرہ: ۲۵۵)

گویا اونگھ اور نیند کی نفی اس کی حیات اور قیومیت کے کمال کا موجب ہے۔
دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَالْجِبَالَ وَالنَّجْمَ | بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین کو

الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ ○ (ق: ۳۰) محسوس نہ ہوئی۔

پس معلوم ہوا کہ تکان کا محسوس نہ ہونا اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے۔
صُدِّرَ ظَلَمٌ كَاعْدَمِ امْكَانٍ | الغرض حضرت یونس علیہ السلام کے قول "سُبْحَانَكَ" میں اللہ تعالیٰ سے ظلم کی نفی کی گئی ہے اور ساتھ ہی اس کی عظمت کا اثبات ہے جو نفی ظلم کے لیے بمنزلہ دلیل کے ہے کیونکہ جو شخص ظلم کرتا ہے یا تو وہ اس کا محتاج ہوتا ہے یعنی اس کا مقصد بغیر ظلم کے پورا نہیں ہوتا اور یا اس کا باعث اس کی جہالت ہوتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ غنی و بے نیاز ہے اور اس کا علم ہر ایک چیز پر محیط ہے اس لیے اس سے ظلم کا صادر ہونا ممکن نہیں۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ
 (العنکبوت: ۲۰) کسی پر ظلم کرے۔



دعائے یونس علیہ السلام کی فضیلت

افضل الکلام حضرت یونس علیہ السلام کی اس دعا کی ایک فضیلت یہ ہے کہ اس میں تسبیح و تہلیل کو جمع کیا گیا ہے اور حدیث صحیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ قرآن کریم کے بعد بہترین یہ چار کلمات ہیں:-

سُبْحَانَ اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، اللَّهُ أَكْبَرُ

لیکن تم جانتے ہو کہ تسبیح کے ساتھ تہلیل اور تکبیر کا ساتھ ہے نیز ایک صحیح روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کلام کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

أَفْضَلُ الْكَلَامِ مَا اصْطَفَى اللَّهُ لَمَلَأَكْتَهُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ

افضل کلام وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لیے پسند فرمایا ہے یعنی وہ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ ہے۔

صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ:

كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ

دو ایسے کلمے ہیں جو زبان پر نہایت ہلکے (آسان) ہیں مگر قیامت کو ترازو میں بہت وزنی ہوں گے اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ کو بہت پیارے ہیں (وہ یہ ہیں) سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ

ان دونوں کلمات میں خدا کی تسبیح کو اس کی حمد اور اس کی عظمت کے ساتھ ملایا گیا ہے

ہم پہلے کہ چکے ہیں کہ تسبیح کے مفہوم میں نقائص اور عیوب کی نفی کے علاوہ عظمت و جلال اور صفات کمال کا بھی اثبات ہے۔

قرآن کریم میں ایک جگہ حکم دیا گیا ہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ | اپنے پروردگار کی حمد بیان کرو۔

فرشتوں نے جواب دیا تھا:

وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ | خدایا! ہم تیری حمد و تقدیس کے گیت
نُقَدِّسُ لَكَ (البقرہ: ۳۰) | گاتے ہیں۔

محامد ذات کی محبوبیت | گویا جس طرح خدا کی حمد و تعظیم کو یہاں کجا بیان کیا ہے۔ اسی طرح بعض دوسری جگہوں میں اجلال و اکرام کی صفت کو جمع کیا ہے۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ عظمت اور کبریائی کے ساتھ موصوف ہونے کے باوجود اپنے محامد صفات کی وجہ سے اپنے بندوں کو نہایت ہی محبوب ہے۔ ذوالجلال والا کرام کے ہی معنی ہیں اور عبادت کی بھی یہی حقیقت ہے کہ معبود کی عظمت اس کی محبت کے ساتھ ملی جلی ہوتی ہے جیسے کہ ہم پہلے اس کی توضیح کر چکے ہیں۔

امام رازی کا نظریہ | امام فخر الدین رازی اور بعض دوسرے مفسرین کا قول ہے کہ "جلال صفت سلبیہ ہے اور اکرام صفت ثبوتیہ" لیکن یہ ان کی غلطی ہے تحقیقی بات وہ ہے جو ہم نے بیان کی ہے کہ یہ دونوں صفات ثبوتیہ ہیں اور صفات کمال کا اثبات بھی نفس نقائص کا موجب ہے جیسا کہ اس کی تشریح صفات کمال کے اثبات کے مترادف ہے اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ ان کے مفہوم میں نقائص اور عیوب کی نفی بھی پائی جاتی ہے اس لیے کہ وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس سے محبت کی جائے اور وہی عظمت و تعظیم کے لائق ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ
(لقمان: ۲۶)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بے پرواہ اور ستورہ
صفات ہے۔

اور سلیمان علیہ السلام کا قول :-
فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ
(النمل: ۴۰)

بشیک میرا پروردگار ہی بے پرواہ
اور کریم ہے۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-
لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ
(التغابن: ۱)

اسی کے لیے باڈنہا ہی ہے اور اسی
کے لیے تعریف ہے۔

کیونکہ بکثرت صاحب کمال و عظمت ایسے ہوتے ہیں جو حمد کے لائق نہیں ہوتے، بلکہ
قابل مذمت ہوتے ہیں اور بکثرت محبوب ایسے ہوتے ہیں جنہیں اس لحاظ سے کوئی عظمت
نصیب نہیں ہوتی، بلکہ نہایت عاجز، ذلیل اور ضعیف ترین انسان شمار کیے جاتے ہیں،
اول الذکر سے محبت نہیں کی جاتی، بلکہ اس کے رعب داب سے ڈرا جاتا ہے، جو لائق
محبت نہیں۔

عظمت و کبریائی کا اظہار | کمال محبت اس وقت حاصل ہوتا ہے جب یہ دونوں وصفتیں
جمع ہو جائیں جیسا کہ آثار صحابہ میں ہے:

إِنَّ الْمُؤْمِنِينَ رِزْقٌ حَلَاوَةٌ
و مَعَابَةٌ

مومن وہ ہے جو خدا کے ڈر اور حلاوت
ایمان سے شاد کام ہو۔

نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں فرمایا:

مَنْ رَأَاهُ بَدِيهَةً هَابَةً وَ
مَنْ خَالَطَهُ مَعْرِفَةً لِحَبِّهِ

جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر طور
پر دیکھا وہ مرعوب ہو گیا اور جس نے آپ
سے میل جول کیا، اس نے محبوب جانا

اسی وجہ سے تسبیح کو تحمید کے ساتھ اور تہلیل کو تکبیر کے ساتھ والبتہ کر دیا، جیسے اذان کے الفاظ میں خدا کی کبریائی بیان کرنے کے بعد اس کی الوہیت کا اعلان ہے۔
 اور پھر ان ہر دو کلمات کچھ بھی دو قسمیں ہیں، جب اکیلے استعمال ہوتے ہیں تو دوسرے کے مفہوم کو بھی ضمناً شامل ہوتے ہیں کیونکہ یہ دونوں کلمے عظمتِ الہی کو ظاہر کرتے اور تحمیدِ الہی کا اثبات کرتے ہیں اور یہی بات لازمہ الوہیتِ الہی ہے۔ کیونکہ عبادتِ اسی کی ہی جاتی ہے جس سے بدرجہ کمال محبت ہو۔ اسی طرح الْحَمْدُ لِلَّهِ مفتاح الخطاب ہے اور سُبْحَانَ اللَّهِ عظمتِ الہی کا ثبوت ہے اسی لیے فرمایا:

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ | اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی تسبیح
 (الواقعة: آخر) | بیان کیا کرو۔

الغرض اللہ تعالیٰ باوجود انتہا درجہ کی عظمت و کبریائی کے بدرجہ غایت محبوب ہے اور اس لیے وہی عبادت کا مستحق ہے کیونکہ دوسروں میں یہ دونوں اوصاف ساتھ ساتھ بدرجہ اتم نہیں پائے جاتے۔ سُبْحَانَ اللَّهِ اور الْحَمْدُ لِلَّهِ انہی اوصاف کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

اسی طرح کلمات اربعہ میں سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں اللہ تعالیٰ کے لیے تمام محامد اور محاسن کا اثبات ہے کیونکہ اس کی الوہیت تمام محامد صفات کی مقتضی ہے اللَّهُ أَكْبَرُ میں اس کی عظمت کا اظہار ہے۔ عظمت و کبریائی دونوں کے معنی بڑائی کے ہیں، لیکن کبریائی کا مفہوم نسبتاً کامل تر ہے اور اس لیے نماز اور اذان و اقامت کے الفاظ مشرور اور دیگر ادعیہ ماثورہ میں جا بجا اللہ تعالیٰ کو کبریائی کے ساتھ موصوف ظاہر کیا گیا ہے۔

ایک صحیح روایت سے یہ حدیث قدسی منقول ہے کہ:

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند ہے جو کوئی ان صفات میں میرے ساتھ جھگڑا کرے گا، (یعنی اپنے

آپ کو ان صفات سے موصوف ظاہر کرنے کی کوشش کرے گا، میں
اس کو عذاب دوں گا“

اور ایک روایت میں ہے کہ:

”میں اس کو توڑ ڈالوں گا“

ظاہر ہے کہ عرب کے نزدیک چادر کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ لہذا عبارت
مذکورہ میں کبریائی کو چادر سے تعبیر کرنا ایک پیرایہ بیان ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ
کبریائی کے مفہوم میں بڑائی کا مفہوم بہت زیادہ ہے۔

اسمائے حسنہ اور کلمات چہارگانہ | ان کلمات چہارگانہ میں سے جب ہر ایک کلمہ
الگ استعمال ہو تو وہ دوسرے کلمات کے مفہوم پر مشتمل ہوتا ہے اور اگر دوسرے کلمات
کے ساتھ مقرون ہو کر استعمال ہو تو پھر ہر ایک کلمہ اپنے خاص مفہوم کو ظاہر کرتا ہے۔
اس کی مثال یہ ہے کہ اسماء حسنہ میں سے ہر ایک اسم دوسرے اسم کے مفہوم پر
ضمناً مشتمل ہوتا ہے کیونکہ ہر ایک اسم میں ذات کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اس کی ذات
تمام صفات کمال کی جامع ہے لیکن اگر ساتھ ساتھ دو یا تین یا زیادہ اسمائے حسنہ
مذکورہ ہوں تو ہر ایک اسم اپنا خاص مفہوم ظاہر کرتا ہے۔

مدحت طرازی بدرجہ غایت | اس بنا پر حضرت یونس علیہ السلام کا یہ قول کہ
لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ کلمات چہارگانہ کے معانی پر مشتمل ہے جن کو قرآن کریم
کے بعد دوسرے درجہ پر افضل الکلام بتایا گیا ہے اور اس کے ضمن میں تمام اسمائے حسنہ
اور صفات علیا کا مفہوم شامل ہے۔ اس لیے یہ غایت درجہ کی مدح ہے۔

أطهار حال واعتراف قصور | اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ میں اپنے حال کا اظہار
اور گناہ اور قصور کا تو کد اعتراف ہے۔ یہ ایک ایسا اعتراف ہے جو ہر ایک فرد بشر
کے لیے ناگزیر ہے خصوصاً جب کہ وہ اپنے پروردگار کے ساتھ مناجات میں مشغول ہو،

بروایت صحیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول منقول ہے کہ،
 لَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ كَسِي شَخْصٍ كَوَيْهَ كُنَى كَاسِحٍ حَاصِلِ نَبِيٍّ
 أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى مِنْ مَتَّى
 کہ میں یونس بن متی سے اچھا
 ہوں۔

مَنْ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْ
 يُونُسَ بْنِ مَتَّى فَقَدْ
 كَذَبَ
 جو شخص یہ کہے کہ میں یونس بن متی
 سے اچھا ہوں وہ اپنے اس قول
 میں جھوٹا ہے۔

ایک دلچسپ توجیہ | اس حدیث شریف کا ملخص یہ ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو اس سے
 بالاتر سمجھتا ہے کہ وہ یونس علیہ السلام کی طرح صریح اور صاف لفظوں میں اپنے گناہ کا اعتراف
 کرے، بیشک وہ جھوٹا ہے اس لیے بزرگان دین میں سے کسی نے بھی اپنے آپ کو اس
 مقام سے برمی قرار نہیں دیا، بلکہ وہی کہتے رہے جو ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام نے
 کہا، ان کے پیشوا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔



حِکْمَتٌ وَخَاصِیَّتٌ

کتاب وسنت
کے روشنی میں

دُعَاةِ یُونُسَ عَلَیْهِ السَّلَام

سبب ازالہ مصیبت | اب رہا سائل کا یہ قول کہ اس سے مصیبت دور ہونے میں کونسی حکمت ہے؟ آؤ ہم تمہیں بتائیں کہ اس میں کونسی حکمت ہے مصیبت کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی دور نہیں کر سکتا۔ کلام پاک میں ہے:

وَإِنْ يَسْأَلْكَ اللَّهُ بَعْضُ
فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ
يُسْأَلُكَ بِخَيْرٍ فَلَا مَرَادَ
لِفَضْلِهِ

اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی تکلیف پہنچا دے
تو سوائے اس کے اور کوئی بھی نہیں،
جو اسے دور کر سکے اور اگر وہ تم کو بھلائی
پہنچانا چاہے تو کوئی بھی اس کے فضل
کو روکنے والا نہیں۔ (یونس؛ ۱۰۶)

یہ بھی ایک سلسلہ امر ہے کہ ہر ایک تکلیف اور مصیبت کا حقیقی سبب انسان کے اپنے
گناہ ہوتے ہیں۔ فرمایا:

یہاں سے سوال نمبر ۲ کا جواب شروع ہوتا ہے (ناشر)

دَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا
كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن
كَثِيرٍ ○
(شورے: ۳۰)

تم کو جو کچھ بھی تکلیف پہنچتی ہے وہ تمہارے
اپنے کیے ہوئے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے
اور اللہ تو بہت سے گناہ بخش بھی دیتا
ہے (اور ان پر مواخذہ نہیں کرتا)

اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرنا ازالہ
سبب کا حکم رکھتا ہے۔ فرمایا:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ
وَ أَنْتَ فِيهِمْ وَ مَا كَانَ
اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ
يَسْتَغْفِرُونَ ○

یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ آپ ان میں موجود
ہوں اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے
اور یہ بھی ناممکن ہے کہ ان کو بخشش طلب
کرنے پر عذاب میں مبتلا کر دیا جائے

پس اس بات سے بخبردار ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ اپنے گناہوں سے بخشش مانگنے والے
کو عذاب نہیں کرے گا۔

ہر تنگی اور اندیشے سے نجات | حدیث شریف میں ہے کہ:

مَنْ أَكْثَرَ الْإِسْتِغْفَارَ جَعَلَ
اللَّهُ لَهُ فِي كُلِّ هَمٍّ دَرَجًا وَ
مِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا وَ
مَرَاتِقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا
يَحْتَسِبُ

جو شخص کثرت سے اپنے گناہوں کے
لیے مغفرت طلب کرتا رہتا ہے، اللہ
تعالیٰ اس کو ہر اندیشے سے نجات
بخشتا ہے اور ہر ایک تنگی سے نکلنے
کا اس کے لیے راستہ بنا دیتا ہے اور
ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں
سے وہم و گمان بھی نہ ہو۔

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کے قول میں کہاں تک ان اصول

کی پابندی اور ان پر عمل کیا گیا ہے؟

خیر و برکت کا سرچشمہ | لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ | میں توحید الوہیت کا اقرار اور اپنی کفرت

مِنَ الظَّالِمِينَ میں اپنے گناہ اور قصور کا اعتراف ہے جس کے ضمن میں طلبِ مغفرت پائی جاتی ہے اور تم جانتے ہو کہ تمام خیر و برکت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور اس کی مشیت ہے، جو چاہے سو کرے اور جس چیز کو وہ نہ چاہے اس کا ہونا محال اور ناممکن ہے لیکن اس خیر و برکت کے نزول سے آدمی کے اپنے گناہ مانع ہوتے ہیں اس لیے توحید الوہیت کی شہادت انسان کے لیے خیر کا دروازہ کھول دیتی ہے اور استغفار سے شر کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے اپنی امید و بیم کو وابستہ رکھے اور اس بات کا خوف کبھی اس کے دل میں پیدا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس پر ظلم کرے گا۔ (العیاذ باللہ) ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ | عِبْءُ شَكِّ اللَّهِ تَعَالَى لَو كُؤُلُ بَرْدَه بَهْر
شَيْئًا وَ لَكِنَّ النَّاسَ | ظَلَمَ نَهِيں كَرْتَا لِيَكُن لَو كُؤُلُ بَرْدَه بَهْر
أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ | ظَلَمَ كَرْتَا لِيَكُن لَو كُؤُلُ بَرْدَه بَهْر

بلکہ اسے اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ اس کے اپنے گناہ اس کے لیے عذاب کا موجب بن جائیں۔

حضرت علیؑ کا قول | حضرت علیؑ کا قول ہے کہ

لَا يَرْجُونَ عَبْدًا إِلَّا رَبَّهُ | انسان کو صرف اپنے خدا ہی امید و بیم
وَلَا يَخَافَنَّ إِلَّا ذَنْبَهُ | کی لو لگانا چاہیے اور فقط اپنے گناہوں
سے اسے ڈرنا چاہیے۔

امید و بیم کا ملجا و ماوے | ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، آپ نے اس سے دریافت فرمایا:

کَيْفَ تَجِدُكَ ؟ تم اپنے کو کس حالت میں پاتے ہو؟

اس نے جواب میں عرض کیا کہ:-

أَمْ جُؤا لِّلَّهِ مَرْحَمَةً وَأَخْفًا
ذُنُوبِي

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہوں،
اور اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں۔

آپ نے فرمایا:

مَا اجْتَمَعَا فِي قَلْبِ عَبْدٍ
مِثْلَ هَذَا الْمُؤْمِنِ إِلَّا
أَعْطَاهُ اللَّهُ مَا يَنْجُوهُ
أَمْنَهُ مِمَّا يَخَافُ

ایسے موقعے پر جس مومن کے دل میں
خوف ورجاء جمع ہوں یقیناً اللہ تعالیٰ
اس کی امید برائے گا اور جس چیز سے
وہ ڈرتا ہے اس سے اس کو بے غم کر دیگا۔

بہر حال انسان کی امید صرف اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہونی چاہیے کسی دوسری مخلوق
کے ساتھ نہ ہو حتیٰ کہ اپنی قوت اور اپنے عمل کے ساتھ بھی اپنی امیدوں کو وابستہ نہ کرے
کیونکہ ایسا کرنا شرک ہے جس کو اللہ تعالیٰ کبھی پسند نہیں فرماتا:

موجب اثرات اسباب | اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے حصول
کے لیے اسباب مقرر فرمائے ہیں لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اسباب بذات خود کچھ بھی
مؤثر نہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے اثر کو باطل فرما دے۔ فرمایا:

يُحْوِلُهُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ
الَّذِي تَوَلَّى كَفِيراً

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور
جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔

(الرعد: ۲۹)

اسباب عدم ظہور نتائج | نیز بعض یا اکثر اوقات موانع اور عوارض کی وجہ سے اسباب
کے عمل میں لائے جانے کے باوجود مطلوبہ نتائج ظہور میں نہیں آتے اور ان عوارض
اور عوائق و موانع کا دور کرنا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اسی بنا پر کسی بندگ
نے کہا ہے کہ:-

اسباب پر نظر رکھنا شرک ہے لیکن اسباب سے بالکل قطع نظر کر لینا اور ان پر مطلق التفات نہ کرنا بھی عقل اور شرع کے خلاف ہے۔
کلام پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۝
وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝

جب تم دوسرے مشاغل سے فارغ ہو جایا کرو تو تکلیف برداشت کرو اور صرف اپنے پروردگار کی طرف راغب ہو کرو۔

(الشرح: ۱۸۴)

اس آیت میں اس بات کا حکم ہے کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رغبت رکھنا چاہیے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَعَلَىٰ اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝

تم اگر مومن ہو تو صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو۔

(المائدہ: ۲۳)



کامرانی کی حقیقی شاہراہ

توکل علی اللہ اور شرک | انسان کا بھروسہ ہمیشہ اس چیز پر ہوتا ہے جس سے اس کی امیدیں وابستہ ہوں۔ اس لیے جس شخص کی امیدیں اپنے زور بازو، اپنے علم و عمل، اپنے حال یا اپنے دوست، اپنی قرابت یا اپنے مال و دولت، اپنے پیر و استاد یا بادشاہ کے ساتھ وابستہ ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ سے غافل ہو تو سمجھ لو کہ وہ ان چیزوں پر بھروسہ رکھتا ہے اور اس کا توکل ان چیزوں پر ہے لیکن یہ شرک ہے۔ فرمایا:

جو شخص اللہ سے شرک کرتا ہے تو اس	وَ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا
کی مثال ایسی ہے جیسے وہ آسمان سے	خَسَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ
گر گر مر گیا اور پرندے اس کا گوشت	الطَّيْرِ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ
نوحٹے ہیں یا ہوا اسے دور دراز مقام پر	فِي مَكَانٍ سَحِيحٍ
اڑا کر لے جائے۔	(الحج:)

مخلوق پر بھروسہ | جو شخص کسی مخلوق سے اپنی امیدوں کو وابستہ کرتا ہے، یا حصول مقصد کے لیے اس پر بھروسہ رکھتا ہے اس کا انجام ناکامی ہوگا اور جلد یا بدیر اس کی یہ غلط فہمی دور ہو کر رہے گی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں	وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ
کو اس کا شریک بناتے اور ان سے	مِنْ دُونِ اللَّهِ أُنْدَادًا
خدا کی طرح محبت رکھتے ہیں۔ لیکن	يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ

جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ کی محبت میں بہت زیادہ سرشار ہیں اور اگر مظالم لوگ اس حالت کو دیکھ لیں جبکہ عذاب ان کو سامنے نظر آجائے گا تو انہیں اور زیادہ یقین ہو جائے گا کہ تمام تر طاقت اللہ کے لیے مخصوص ہے اور بے شک اللہ کا عذاب نہایت سخت ہے۔ یہ وہ حالت ہے جبکہ پیشوا اپنے مریدوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے ہو گا اور جن اسباب پر ان کو بھروسہ تھا وہ سب منقطع ہو جائیں گے۔ پیر وہی کرنے والے مرید کہیں گے، کاش! اگر ہمارے لیے دنیا میں دوبارہ لوٹ جانا یسیر آجائے تو ہم بھی ان پیشواؤں سے اسی طرح بیزار ہو جائیں جس طرح وہ ہم سے بیزار ہوئے، اس طرح اللہ ان کے اعمال بڑا نہیں دکھاتا ہے کہ ان پر حسرت طاری ہو، بہر حال انہیں دوزخ کی آگ سے نکلنا نصیب نہ ہو گا۔

الَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا
لِلَّهِ طَوْقًا لَوْ يَدْرِي
الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ
الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ
جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ
الْعَذَابِ ○ إِذْ تَبَرَّأَ
الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ
الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَأَلْزَمُوا
الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ
بِهِمُ الْأَسْبَابُ ○ وَقَالَ
الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ
لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَّزَّ
أَمْهُمْ مَكَامًا تَبَرَّأُوا
فَأَمِنَّا كَذَلِكَ اللَّهُ
يُؤَيِّمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ
حَسَنَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا
هُمْ بِبَخَّارٍ جِنِينَ مِنَ
النَّارِ ○

(البقرہ: ۱۶۵ تا ۱۶۷)

اور فرمایا:-

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ نَعَّمْتُمْ
مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ
كَشْفَ الضَّرِّ عَنْكُمْ وَلَا
تَحْوِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ
الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ
يُجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ
عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ بَرِّكَ
كَانَ مَعْدُودًا ۝

(اے نبی! مشرکوں، فرما دیجئے، اللہ کے
سوا جن کو تم خدا سمجھتے ہو ان کو بلاؤ۔ وہ تم
سے مصیبت دور کرنے کی قدرت نہیں
رکھتے اور نہ ہی بدلہ دے سکتے ہیں،
وہ تو خود بھی اپنے پروردگار کو بلاتے اور
اس کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ
ان میں سے کون اس سے زیادہ قریب ہے
ہے۔ اس کی رحمت کے امیدوار اور
اس کے عذاب سے خائف رہتے
ہیں بلاشبہ تیرے پروردگار کا عذاب
ڈرنے کی چیز ہے۔

(نبی اسرائیل: ۵۶، ۵۷)

مشرک مرعوب اور مومن مامون
ڈرنا اور ان کی امید و بیم مخلوق سے وابستہ ہوتی ہے اور اس لیے وہ ہمیشہ مرعوب رہتے
ہیں۔ کلام پاک میں ہے:

سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ
كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا
بِاللَّهِ (آل عمران: ۱۵۱)

اس کے برخلاف جس کی توحید خالص ہے وہ امن میں رہتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا
إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے
ایمان کو ظلم کا جامہ نہیں پہنایا، ان کے

لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُونَ | لیے امن و امان ہے اور یہی لوگ
(المائدہ: ۱۲)

ہدایت یافتہ ہیں۔

اس آیت میں لفظ "ظلم" کی تفسیر "شُرک" کے ساتھ کی ہے۔ نیز ایک صحیح اور مرفوع حدیث میں منقول ہے جو ابن مسعود سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام متروک ہوئے کہ کون ہے جو اپنے نفس پر ظلم نہیں کرتا؟ تو آپ نے فرمایا: إِنَّ هَذِهِ الشِّرْكَ

یعنی اس سے مراد شرک ہے۔

اور اس کی تائید میں آپ نے قرآن شریف کی یہ آیت پڑھی اور فرمایا کیا تم نے یہ نہیں سنا؟ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ | شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے۔
(لقمان: ۳۲)

اس نقطہ کو ملحوظ خاطر رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ اسباب کا ذکر فرماتے ہوئے اس بات کی تصریح فرماتا ہے کہ ان مشرکوں پر اعتماد نہ کیا جائے بلکہ ایک ایمان دار کی یہ صفت ہونی چاہیے کہ اس کا تمام تر بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو۔

جنگِ بدر اور اسبابِ فتحِ مندی | جنگِ بدر میں ملائکہ کے نزول کا ذکر فرماتے

ہوئے کلامِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ
لَكُمْ وَ لِتَطْمَئِنُّ قُلُوبُكُمْ
بِهِ وَ مَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ
عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ
(آل عمران: ۱۲۶)

ملائکہ کا نزول فقط تم کو خوش کرنے کے لیے تھا اور یہ کہ تمہارے دل تسلی پذیر ہو جائیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ فتحِ مندی اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے جو غالب اور حکمت والا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي بَدْرٍ | بے شک اللہ تعالیٰ نے تم کو بہت

سے میدان ہائے جنگ میں فتح مندی
 عنایت کی، اور جنگِ حنین کے موقع
 پر بھی تم کو فتح مندی کیا جب کہ تم اپنی
 کثرت پر مانٹے تھے لیکن تمہاری کثرت
 تمہارے ذرہ بھی کام نہ آئی اور زمین
 باوجود فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی،
 اور بالآخر تم بھاگ نکلے، ازاں بعد
 (جبکہ تم پر اسبابِ ظاہری کی حقیقت
 روشن ہو گئی) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول
 اور مومنوں پر تسلی نازل فرمائی اور ایسے
 لشکران کی مدد کے لیے بھیجے جن کو تم
 نہیں دیکھ سکتے تھے اور اس نے کافروں
 کو عذاب دیا اور یہی ان کی سزا ہے۔

مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ قَائِمًا
 حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبْتَكُمْ
 كَثْرَتَكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ
 شَيْعًا وَصَافَتْ عَلَيْكُمْ
 الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ
 وَابَتْكُمْ مُدْبِرِينَ ۝ ثُمَّ
 أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى
 رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ
 وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا
 وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا
 وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝

(التوبة: ۲۶)

تیسری جگہ فرمایا ہے:

اگر اللہ تعالیٰ تم کو فتح مند بنا چاہے
 تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر
 وہ تمہاری مدد چھوڑ دے تو پھر کون
 ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا
 اور مومنوں کو تو صرف اللہ تعالیٰ پر
 بھروسہ رکھنا چاہیے۔

إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا
 غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُكُمُ
 اللَّهُ فَذَٰلِكُمْ يُنْصِرُكُمْ
 مِنَ الْبَعْدِ وَعَلَى اللَّهِ
 فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

(آل عمران: ۱۶۰)

لہٰذا اس بات کی تصریح ہے کہ تم کو فتح مندی غیر مرئی اسباب کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے۔

موازنہ صبر اور توکل

امید و بیم بھی سوال کی ایک قسم ہے | ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دعا کی دو قسمیں ہیں ایک دعا بمعنی عبادت ہے اور دوسری دعا بمعنی سوال اور دعا کی دونوں قسمیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہیں جس کسی نے کسی دوسری ہستی کو حاجت روا کر دانا تو وہ ذلیل و خوار ہو گیا اور چونکہ کسی سے اپنی امید کو وابستہ کرنا بھی سوال کی ایک قسم ہے اس لیے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ اسے چاہیے کہ کسی دوسرے سے سوال نہ کرے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا آتَاكَ مِنْ هَذَا الْمَالِ	جو مال تم کو ایسی حالت میں ملے کہ تم نے
وَ أَنْتَ غَيْرُ سَائِلٍ وَ لَا	نہ تو سوال کیا ہو اور نہ تم اس کے نگران
مُشْرِبٍ فَخُذْهُ وَ مَا لَا	رہے ہو، اس مال کو لے لیا کرو اور اگر
تَتَّبِعْهُ نَفْسَكَ	ایسا نہیں تو مت لو۔

نگران بہنے کے یہ معنی ہیں کہ آدمی اپنے دل میں اس مال کے مل جانے کا خواہاں ہو، اور اس کی توقع رکھتا ہو۔

ابوسعید خدری کی روایت | صحیحین میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

ہے کہ ہم ایک مرتبہ بھوک کی مصیبت میں مبتلا ہوئے اور میں سوال کرنے کے ارادے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ خطبہ میں مشغول تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ :-

یا ایھا الناس و اللہ مہم ایکن	اسے لوگو! خدا کی قسم اگر ہمارے پاس
عندنا من خیر فلن ندخرہ	مال موجود ہوگا تو میں ہرگز تم کو اس سے
عنکم و انہ من یتغن	محروم نہیں کروں گا اور بیشک جو
یغنیہ اللہ و من یتعفف	شخص بے نیازی اختیار کرتا ہے،
یعفیہ اللہ و من یتصبر	اللہ تعالیٰ اس کو بے نیاز کر دیتا ہے
یصبرہ اللہ و ما اعطی	اور جو شخص اس ذلت سے (بری رہنا
احد عطاہ خیرا و سح	چاہتا ہے اللہ اس کو بری رہنے کی
من الصبر	توفیق بخشنے گا اور جو شخص تکلیف برداشت
	کر کے صبر اختیار کرے گا اس میں صبر
	کا ملکہ پیدا ہوگا اور صبر سے فراخ تر اور
	وسیع دہتر بخشش کسی کو نہیں دی گئی۔

استغناء یعنی بے نیازی کے یہ معنی ہیں کہ اپنے دل کو بھی کسی چیز کی توقع میں نہ گراں نہ رکھے اور اس کے حاصل کرنے کی خواہش ہی پیدا نہ ہو۔

استعفاف یعنی بری رہنا، یہ ہے کہ زبان سے سوال نہ کرے۔

امام احمد بن حنبل کا توکل ایسی وجہ ہے کہ جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے توکل کی حقیقت دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا:

قطع الاستشراف الی الخلق مخلوقات سے اپنی امید و بیم کو توڑ دینا۔

یعنی توکل یہ ہے کہ تمہارے دل میں بھی یہ خیال پیدا نہ ہو کہ کوئی تم کو کچھ دے گا، اس

کی دلیل کی بابت استفسار کیا گیا تو آپ نے فرمایا:-
 ”جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کافروں نے آگ میں ڈالا اور
 جبریل علیہ السلام نے آکر کہا:

هل لك من حاجة ؟ | آپ کو کسی چیز کی حاجت ہے ؟
 حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

ما اليك ----- | تم سے مجھے کوئی حاجت نہیں۔“

ایسی روایات سے صاف اور واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو کسی نفع کی
 طلب میں یا کسی ضرر کے ارتفاع میں اپنا دل سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی طرف متوجہ
 نہیں کرنا چاہیے۔ اسی بنا پر حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی دعا کو لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ
 سے شروع کیا۔

ارشاد نبوی بروقت تکلیف | صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما
 سے یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی مصیبت اور تکلیف کے پیش آنے
 پر فرمایا کرتے تھے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ	بیشک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں،
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ	وہ عظمت اور حلم کا خداوند ہے بیشک
الْعَظِيمُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی آسمانوں
السَّمَاوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ	اور زمین کا پروردگار ہے اور عزت
وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ	والے عرش کا مالک ہے۔

ان الفاظ میں سراسر توحید الوہیت کا اظہار ہے اور یہ کہ مومن کی جملہ امیدیں اسی
 وحدہ لا شریک کے ساتھ وابستہ ہیں (تبارک وتعالیٰ رب العالمین و احسن الخالقین) یہ الفاظ
 بظاہر جملہ خبریہ ہیں لیکن ان کے ضمن میں طلب کے معنی پائے جاتے ہیں جیسا کہ بارہا اس کا

اخلاص اور علوشان الوہیت

پابندی احکام و اطاعت | عام لوگ اگرچہ اپنی زبان سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہتے اور توحید الوہیت کا اقرار کرتے ہیں لیکن خلوص کے ساتھ اس کی حقیقت کا اعتراف کرنے کی شان دوسری ہے۔ کہاں توحید کا لازمی نتیجہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور اطاعت ہے۔ کلام مجید میں ہے:-

أَرَآيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ
عَوَانَهُ أَفَأَنْتَ تَكُومُنُ عَلَيْهِ
وَكَيْلًا ۝ أَمْ تَحْسَبُ
أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ
يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا
كَآلَ الْنَعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ
سَبِيلًا ۝ (الفرقان: ۲۳، ۲۴) بھی گمراہ تر!

ہوئے نفس کو معبود مٹھرانا | اس لیے جس کسی کی محبت اور شیفتگی اپنی خواہشاتِ نفسانی کے لیے ہو۔ اس نے یقیناً ہوئے نفس کو اپنا معبود قرار دیا۔ اور یہی کیفیت مشرکوں کی ہے کہ جس چیز کو انہوں نے اپنی خواہشِ نفس کے مطابق پسند کیا۔ اسی کو معبود بنا لیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا | یہی لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے

يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ | ساتھ شریک بنا رکھے ہیں جن کے

(البقرہ: ۱۶۵) | ساتھ وہ خدا کی طرح محبت کرتے ہیں

انخلاص حضرت ابراہیم خلیل اللہ | حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کے

معبودوں پر ایک ناقدانہ نظر ڈال کر فرمایا تھا:-

لَا أُحِبُّ إِلَّا فِيلِينَ ○ | میں غائب ہو جانے والی چیزوں کو

(المائدہ: ۷۷) | پسند نہیں کرتا

یہ ایک امر واقع ہے کہ آپ کی قوم کے لوگ صنایع عالم کے منکر نہیں تھے، لیکن جس چیز کو وہ پسند کرتے اور بزعم خود اس کو اپنے حق میں نفع رساں خیال کرتے تھے مثلاً سورج، چاند اور دیگر ستارے، انہی کو وہ پسند لگتے، خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو بتایا کہ جو چیز نظروں سے غائب ہو جاتی ہے اور وہ اپنے عابدوں کا کلام سننے اور ان کا حال جاننے سے قاصر ہے اور ان کا نفع یا ضرر اس کے اختیار میں نہیں۔ وہ اس قابل نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔

الغرض جس قدر بھی انسان توحید میں خلوص پیدا کرے، اسی نسبت سے اس کے دل سے غیر اللہ کو معبود مٹھرانے کا خیال دور ہو گا اور وہ گناہوں اور نافرمانیوں سے محفوظ رہے گا۔

مخلصین اور شیطانی تسلط | اللہ تعالیٰ نے یوسف صدیق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عصمت

کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوَءَ | اسی طرح ہم نے اس کے لیے عصمت

وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ | کے سامان مہیا کیے تاکہ برائی اور بھائی

عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ○ | کو اس سے دور رکھیں۔ بے شک وہ

(یوسف: ۲۴) | ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔
 برائی اور بے حیائی کو اپنے مخلص بندوں سے دور رکھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ
 نے ان کے حق میں شیطان کو ان الفاظ میں مخاطب فرمایا ہے:
 إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ
 سُلْطَانٌ (النحل: ۲۲) | تجھے کسی قسم کا تسلط نہیں ہوگا۔

اور اس کے جواب میں شیطان نے کہا:
 فَبِعِزَّتِكَ لَا أُغْوِيَنَّهُمْ
 أَبَعَيْنٍ ○ إِلَّا عِبَادَكَ
 مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ ○
 (ص: ۸۳، ۸۴)

خدا یا تیری ذات کی قسم، ان سب کو
 بہکا کر چھوڑوں گا مگر جو تیرے مخلص
 بندے ہیں وہ بدراہی سے بچ
 جائیں گے۔

غرض شیطانی اکساوٹ اس قدر شدید ہونے کے باوجود بھی مخلص بندے اس کی
 زد سے بچ نکلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ان کے حق میں وعدہ ہے کہ شیطان کو ان پر کچھ بھی
 اختیار و تسلط نہیں۔



لہ اس لیے ہمیں خدا کے مخلص بندوں کے زمرہ میں شامل ہونے کی سعی کرنی چاہیے۔ ان کے سے
 عقاید ہوں اور ان جیسے اعمال بجالائیں۔ (ناشر)

اخلاص کلمہ توحید

دخول جنت از قول لا الہ الا اللہ | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحیح حدیث مروی ہے کہ جو شخص خلوص قلب کے ساتھ کہے "لا الہ الا اللہ" اس پر دوزخ کی آگ حرام ہوگئی، کیونکہ اخلاص کی بدولت آدمی ان اعمال کے ارتکاب سے محفوظ رہتا ہے جو انسان کو دوزخ کی آگ کا مستوجب بناتے ہیں اور یہ یاد رہے کہ جو شخص باوجود لا الہ الا اللہ کہنے کے دوزخ میں ڈالا جائے گا، اس کا سبب اخلاص کا فقدان یا کمی ہوگی اور اس کے دل میں شرک کا کوئی ثابہ موجود ہوگا، کیونکہ بعض اوقات شرک کا وجود چھوٹی سی چال سے بھی پوشیدہ رہتا ہے، اس لیے انسان اپنے آپ کو اس سے مبرا خیال کرتا ہے۔

تجدید اخلاص کا پروگرام | اسی بنا پر انسان کو ماسور کیا گیا ہے کہ وہ ہر ایک نمانی ہر ایک رکعت میں ایتا لک نعبد و ایتا لک نستعین کہہ کر اپنی توحید اور اپنے اخلاص کی تجدید کر لیا کرے۔ شیطان کی کوشش ہر وقت یہ رہتی ہے کہ وہ آدمی کو شرک میں مبتلا کر دے اور آدمی کا نفس ہمیشہ اس کی تلقین اور القاء کا اثر قبول کرنے کے لیے آمادہ رہتا ہے اور خیر اللہ کو بیم و امید کا قبلہ بنائے رکھتا ہے۔ لہذا انسان کو اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی توحید کو خالص رکھنے کی کوشش کرے اور اسے شرک کی آمیزش سے پاک رکھے۔

ہلاکت قرینی شیطان | ابن ابی عامر وغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث روایت کی ہے کہ شیطان کہتا ہے،

أَهْلَكْتُ النَّاسَ بِالذُّنُوبِ | میں نے لوگوں سے گناہ کرائے اور ان

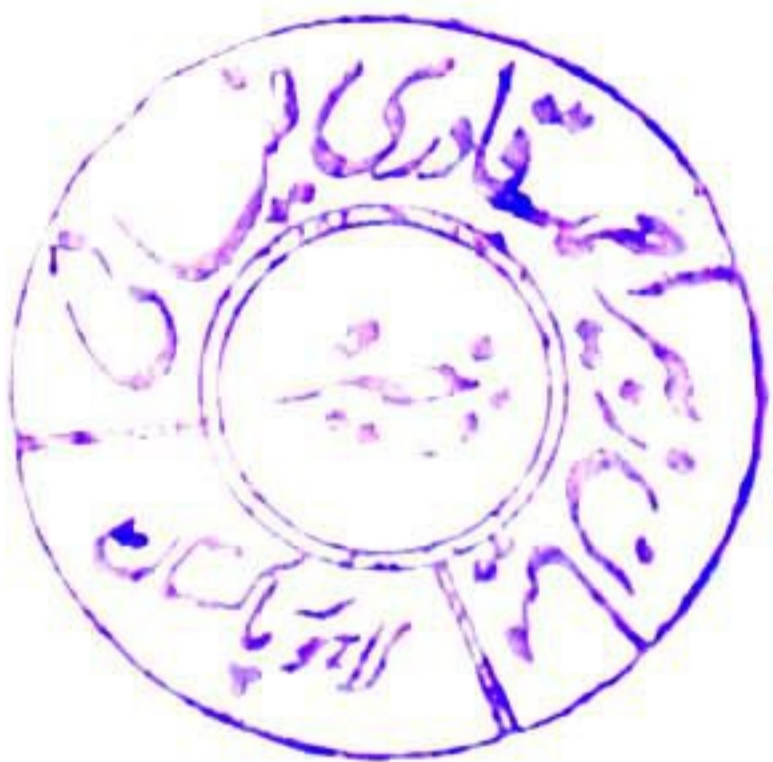
نَا هَلَكُوْنِيْ بِإِلَهِ إِلَّا اللهُ
 وَآلِ سِتْعَفَارٍ فَلَمَّا رَأَيْتَ
 ذَلِكَ ثَبَتْنَا فِيْهِمْ الْأُمُورَ
 فَهُمْ يَدُؤْنَ بِيْوتَ وَلَا
 يَسْتَعْفِرُونَ لِأَنَّهُمْ يَحْسَبُونَ
 أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا

کو ہلاک کیا لیکن انہوں نے لا الہ الا اللہ
 کہہ کر اور اللہ سے مغفرت طلب کر کے مجھ
 کو ہلاک کیا لیکن جب میں نے دیکھا تو ان
 کو خواہشِ نفس کی پیروی میں لگا دیا نتیجہ
 یہ ہوا کہ اب وہ نافرمانی کرتے ہیں اور
 مغفرت نہیں طلب کرتے کیونکہ وہ
 اپنے اعتقاد میں ایک نیک کام کرتے ہیں

خواہشِ نفس کی پیروی | خواہشِ نفس کی پیروی یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی نازل کی
 ہوئی ہدایت کو چھوڑ دے اور جو طبیعت میں آئے اس کو ماننے اور عمل میں لائے ایسے
 ہی شخص کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے کہ:

مِّنَ اتَّخَذَ إِلَهًا هَؤُلَاءُ | جس نے ہوائے نفس کو اپنا معبود
 (الفرقان: ۲۳) | مٹھرا لیا ہے۔

اس لیے وہ مشرک ہے اور اس کا شرک اس کے لیے مغفرت طلب کرنے سے مانع
 ہے۔



لہ عقاید اور اعمال میں ان کو بدعتوں کے ایجاد پر مائل کر دیا۔ (مترجم)

توحید اور استغفار کی نسبت

برخلاف اس کے جس شخص نے اپنی توحید کو خالص کر رکھا اور خدائے تعالیٰ سے اپنے گناہوں کے لیے مغفرت طلب کی تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ دنیا اور آخرت کے شرور سے محفوظ نہ رہے۔ اس لیے ذوالنون (حضرت یونس) علیہ السلام کی دعایہ تھی :-

<p>عذایا! تیرے سوا کوئی بھی میرا حاجت بڑا نہیں۔ بے شک میں خود ہی ظالموں میں سے ہوں۔</p>	<p>لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (الانبیاء: ۸۷)</p>
---	---

اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کی اکثر آیتوں میں توحید اور استغفار کا ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے مثلاً ارشاد ہوتا ہے :-

<p>تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہ کے لیے اور مومن مرد اور مومن عورتوں کے لیے مغفرت طلب کرو۔</p>	<p>فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (محمد: ۱۹)</p>
---	---

اور فرمایا:

إِلَّا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ إِنِّي

لَكُمْ مِنْهُ نَزِيرٌ وَبَشِيرٌ كَرِهْتُمْ لَكُمْ فِي الشُّرِكِ مِنْكُمْ
 وَأَنْ اسْتَغْفِرُوا مِنْكُمْ تَهَارَةً لِيَوْمِ تَوْبَتِهِمْ وَاللَّهُ يَتُوبُ
 ثُمَّ تَوْبَتُهُمْ إِلَى اللَّهِ لَانِي وَاللَّهُ يَتُوبُ لِيَوْمِ تَوْبَتِهِمْ
 پر دو گارت سے، مغفرت طلب کرو اور اسی
 کی طرف رجوع کرو۔ (ہود: ۲، ۳)

اسی سورہ میں قوم عاد کے قصہ میں بعینہ ہی الفاظ مذکور ہیں۔ اور فرمایا:-

وَاللَّهُ يَتُوبُ لِيَوْمِ تَوْبَتِهِمْ وَاللَّهُ يَتُوبُ لِيَوْمِ تَوْبَتِهِمْ
 قَالُوا يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ
 اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہودؑ
 کو پیغمبر بنا کر بھیجا جس نے انہیں کہا کہ
 قوم! اللہ کی عبادت کرو کیونکہ اس کے
 بغیر تمہارا کوئی معبود نہیں۔ (ہود: ۵۰)

اور فرمایا:

وَاللَّهُ يَتُوبُ لِيَوْمِ تَوْبَتِهِمْ وَاللَّهُ يَتُوبُ لِيَوْمِ تَوْبَتِهِمْ
 ثُمَّ تَوْبَتُهُمْ إِلَى اللَّهِ (ہود: ۵۲) اور توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کرو
 اسی سورہ میں قوم عاد کے قصہ میں بعینہ ہی الفاظ مذکور ہیں۔
 سورہ فصلت کے پہلے رکوع میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ
 وَاحِدٌ فَاستَقِيمُوا إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَتُوبُ لِيَوْمِ تَوْبَتِهِمْ
 (یا رسول اللہ) کہ دو کہ بے شک میں تم
 جیسا انسان ہوں (فرق یہ ہے) میری طرف
 وحی کی گئی ہے بے شک تمہارا معبود
 ایک ہے اور تم سیدھے ہو کر اس کی طرف
 متوجہ ہو جاؤ اور اسی سے مغفرت
 طلب کرو۔ (فصلت: ۶)

مجلس کے خاتمہ کی دعاء | حدیث شریف میں آیا ہے کہ مجلس کا خاتمہ ان الفاظ پر

ہونا چاہیے:

<p>اسے خدا! تو پاک ہے اور تیرے لیے سب تعریفیں ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تجھی سے منحرفت طلب کرتا اور تیری طرف ہی رجوع کرتا ہوں۔</p>	<p>سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ</p>
---	---

اگر وہ مجلس اچھی تھی تو یہ کلمات بمنزلہ مہر ہو جائیں گے۔ لیکن اگر وہ بیہودہ مجلس تھی، تو یہ کلمات اس کا کفارہ ہو جائیں گے۔

ادعیہ آخر وضو اور نماز | نیز ایک حدیث شریف میں ہے کہ وضو کے آخر میں

یہ کہنا چاہیے:

<p>میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ واحد اور لا شریک کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں میں اس بات کی کہ حضرت محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ خدایا! مجھ کو توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ بندوں میں بنا دے۔</p>	<p>أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَحَدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّائِبِينَ وَ اجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ</p>
---	--

یہ دونوں اذکار توحید اور استغفار پر مشتمل ہیں۔

ایک دوسری روایت میں وضو کے آخر میں بعینہ انہی کلمات کا کہنا منقول ہے، جو مجلس کے خاتمے پر کہے جاتے ہیں جو دین اسلام کی اصل و اساس ہیں۔ کیونکہ دین تمام نثر انہی دو شہادتوں میں داخل ہے۔ اس لیے ان ہر دو کا مضمون یہ ہے کہ ہم سوائے اللہ کے

کسی کی بھی عبادت نہیں کرتے اور اس کے رسولؐ کی پیروی کرتے ہیں۔ پس یہی دین اسلام کا خلاصہ ہے، اللہ کی عبادت بھی اللہ کی اطاعت اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے ذریعے ہوتی ہے، اور ہر ایک فرضی اور فعلی عبادت بھی اسی اطاعتِ الہی اور اطاعتِ رسولؐ میں مضمر ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ کفارہ مجلس کی دعا نماز کے آخر اور وضو کے آخر میں بھی پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز کے آخر میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ	یا اللہ مجھے بخش دے میرے وہ سب
وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا اسْتَدْرَيْتُ	گناہ جو میں پہلے کر چکا ہوں یا بعد میں
وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ	کروں گا، اور جو پوشیدہ کیے ہیں اور
بِهِ مَعْنَى أَنْتَ الْمَقْدِمُ وَأَنْتَ	جو علانیہ کیے ہیں اور جو کچھ کہ تو میرے
الْمُؤَخَّرُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ	شعاع جانتا ہے، تو مقدم اور تو ہی
	مؤخر ہوتی ہے سو کوئی معبود نہیں۔

اس میں بھی وہی استغفار اور توحید ہے۔ نماز کی دعا میں کلمہ توحید کو اس لیے آخر دعا میں رکھا گیا ہے کہ نماز کا خاتمہ بہترین کلمہ پر ہو۔

افضل اور مفضل | البتہ جہاں پر یہ بات مقصود بالذات نہیں وہاں توحید کو مقدم رکھا گیا ہے (مثلاً خانہ مجلس و خانہ وضو کی دعاؤں میں) کیونکہ بطحاظ نوعیت کے وہ دعائیں جو مضموم اللہ تعالیٰ کی ثنا اور تعریف ہو اس دعا سے بہتر اور افضل ہے جو سوال اور طلب پر مشتمل ہو۔ اگرچہ بعض موقعوں پر مفضل کو کسی خاص سبب کی بنا پر افضل سے ترجیح دی جاتی ہے، چنانچہ نماز مطلق قراءت سے افضل ہے اور قراءت قرآن کو ان اذکار پر ترجیح ہے جو حمد و ثنا پر مشتمل ہیں اور اس قسم کے اذکار ان دعاؤں پر فوقیت رکھتے ہیں، جن میں خالص سوال

اور طلب ہے لیکن بایں ہمہ بعض اوقات اور بعض جگہوں میں مفضل کو کسی خاص وجہ کی بنا پر فضل سے راجح مانا جاتا ہے۔

تمام ادیان کا پتھر | بہر حال اس بات کو سنجی یاد رکھنا چاہیے کہ دین کا آغاز اور انجام اور اس کا ظاہر اور باطن، توحید اور خالص توحید ہے اور دین اسلام تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ادیان کا زبدہ اور مخلص ہے اور لوگوں کے دلوں پر لا الہ الا اللہ کا گہرا نقش بٹھانا اس کا مقصد ہے۔

توحیدِ بوبیت اور توحیدِ الوہیت

عام مسلمان لا الہ الا اللہ کے مضمون کا سرسری اقرار کرتے ہیں لیکن توحید کو خالص بنانے میں ان کے درجات میں ایک وسیع اختلاف پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جس توحید کو فرض مؤکد قرار دیا گیا ہے، اس کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ کوئی شخص یہ اقرار کرے کہ ہر ایک چیز کا پیدا کرنے والا ایک خدا ہے اور وہی اس کی پرورش کا کفیل ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ توحیدِ بوبیت اور چیز ہے اور توحیدِ الوہیت اور چیز۔ عقیدہ مشرکین عرب | توحیدِ بوبیت کا تو عرب کے مشرکوں کو بھی اقرار تھا، وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ آفرینندہ عالم ایک نہیں، یا سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور بھی ایسا خدا موجود ہے جو پروردگارِ مطلق کہلا سکے، اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں واضح طور پر ان کا یہ عقیدہ بیان فرمایا ہے (یعنی یہ کہ وہ خالقِ عالم کو ایک سمجھتے تھے) فرمایا:

وَلَمَّا سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ | اگر تم ان سے دریافت کرو کہ آسمانوں
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَيَقُولُنَّ | اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ یہی

خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ
(زخرف: ۹)

کہیں گے کہ ان چیزوں کو خدائے
غالب اور باخبر نے پیدا کیا۔

اور فرمایا:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ
إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ○

ان میں سے اکثر اللہ تعالیٰ پر ایمان
نہیں لائے بلکہ وہ مشرک ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ
يَنْهَاهَا أَنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ○
سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا
تَذَكَّرُونَ ○ قُلْ مَنْ
رَبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَ
رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ○
سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا
تَتَّقُونَ ○ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ
مُلْكُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ
يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ
إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ○
سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى
تَسْحَرُونَ ○

(اے نبی!) ان سے پوچھیے، زمین اور
جو کچھ اس میں ہے کس کی ملکیت ہے
اگر تم جانتے ہو؟ تو کہیں گے اللہ ہی
تو ہے۔ آپ پوچھیں ساتوں آسمانوں
کا پروردگار اور بڑے عرش کا مالک کون
ہے؟ اس کے جواب میں وہ ضرور
یہ کہیں گے کہ اللہ ہی تو ہے، آپ پوچھیں
تو پھر کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ پھر
پوچھیں کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ
میں ہر ایک چیز کا کامل تصرف ہے اور
کون دوسروں کو پناہ دیتا ہے اور خود
پناہ نہیں چاہتا
اس کے جواب میں وہ ضرور کہیں گے
کہ وہ سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہے،
آپ پوچھیں کہ پھر تم کیوں سحر ہو پھر ہو؟

(المومنون: ۸۴ تا ۸۹)

میں داخل ہے، چاہے وہ اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کو پیدا کیا اور وہی اس کو رزق دیتا ہے۔

الحبُّ والحُبُّ معَ اللہِ کافرق

○

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے ان دو شخصوں میں فرق بتایا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے کسی سے محبت رکھتا ہے اور وہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو بھی اپنا محبوب قرار دے رکھا ہے، پہلے شخص کی محبت اور عبادت کا منتہی اور مقصود فقط اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور کوئی دوسرا بالاستقلال ان کا محبوب نہیں ہوتا۔ لیکن ساتھ ہی وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بعض بندوں سے یعنی انبیاء اور صالحین سے محبت ہے۔ اس لیے وہ بھی ان سے محبت کرتا ہے۔ اس لیے نہیں کہ اس کو ان کا بذاتِ خود محبوب بنانا مقصود ہے بلکہ اس لیے کہ وہ خدا کے محبوب ہیں۔

ترکِ مخطورات اور بجا آوریِ مامورات | اسی طرح وہ جانتا ہے کہ مامورات کا بجالانا اور مخطورات کا ترک کرنا خدا تعالیٰ کو پسند ہے اس لیے وہ ایسا ہی کرتا ہے کیونکہ اس کی محبت خدا کی محبت کے تابع رہتی ہے۔ برخلاف اس کے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بلکہ (اپنی خواہشِ نفس کے مطابق) اس کے ساتھ کسی دوسرے کو اپنا محبوب قرار دیتا ہے اور اپنی امید و بیم کو اس سے وابستہ کرتا ہے اور ہر حالت میں اس کی اطاعت کرتا ہے قطع نظر اس سے کہ اس کی اطاعت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور اس کو اپنا شفیع سمجھتا ہے، اگرچہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے اس کو شفیع مقرر فرمایا ہے فرمایا:

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ
مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ
وَيَقُولُونَ هُوَ إِلَهُنَا
عِنْدَ اللَّهِ قُلْ أَنْتَبِئْتُونَ
اللَّهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ
وَلَا فِي الْأَرْضِ (يونس: ۱۸)

یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں تو کوئی بھی اس قسم کا شفیع نہ آسمانوں میں ہے اور نہ زمین میں ہے
لیکن وہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے شفیع ہیں تو کیا وہ خدا کے تعالیٰ کو ایک ایسی بات بتانا
چاہتے ہیں جو وہ نہیں جانتا۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

اتَّخَذُوا أَحْبَابًا مِّمَّنْ
هُم أَنبِيَاؤُهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ
دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ
مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا
لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا
إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا
يُشْرِكُونَ ○
(التوبہ: ۳۱)

ان لوگوں (یہودیوں اور عیسائیوں) نے
اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ اور
عیسے بن مریم کو خدا بنا رکھا ہے، حالانکہ
ان کو تو یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک ہی
خدا کی عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ کے
بغیر اور کوئی معبود نہیں اور وہ ان بالوں
سے پاک و برتر ہے جن کے ذریعے
وہ شرک کرتے ہیں۔

اس آیت سے نہایت صاف اور واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء اور علماء
و مشائخ کی تعظیم اور اطاعت میں اگر غلو کیا جائے تو یہ بھی شرک ہے چاہے وہ غلو کرنے

والا اس کو شرک نہ سمجھتا ہو۔

روایت عدی بن حاتم | اس کی مزید توضیح عدی بن حاتم کی حدیث سے ہوتی ہے۔
اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں اس آیت کے متعلق استفسار کیا تھا کہ ہم عیسائی لوگ تو اپنے علماء و مشائخ کو اپنا معبود نہیں سمجھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

” وہ ان کے لیے حلال کو حرام کر دیتے تھے اور حرام کو حلال کر دیتے تھے، جس کی وہ بے تامل اطاعت کرتے تھے۔ یہی ان کی عبادت تھی۔“

قرآن کریم میں ہے:

آمُرُكُمْ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ | کیا انہوں نے اپنے لیے خدا کے شریک
لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنُوا | مقرر کر رکھے ہیں جنہوں نے ان کے
بِاللَّهِ | لیے ایک ایسا مذہب ایجاد کیا جس
(شورے: ۲۱) | کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔

تعظیم مشائخ میں غلو | واضح رہے کہ جو شخص کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو چھوڑ کر کسی عالم، مجتہد یا شیخ طریقت کے قول کا اس لیے اتباع کرتا ہے کہ وہ اس کا قول ہو

یعنی اندھا دھند کسی کی تقلید کرنا بھی شرک ہے اور اس کو غیر اللہ کی عبادت کہتے ہیں۔
اے کسی پیر و مرشد کی اس طرح تقلید کرنا پیرپستی میں داخل ہوگی۔ اگر اس کی بات شریعت کے مطابق ہے تو اس کی پابندی عین شریعت کی پابندی ہوگی لیکن اگر وہ قبح شریعت نہیں تو خواہ وہ آسمان پر اڑا آئے، بے شمار کرامات کا ظہور اس کے ہاتھ پر ہو اس کی بیعت قطعاً حرام ہے اگر بیعت ہو جائے تو اس کا توڑنا فرض عین ہے۔ اگر نہ توڑے گا تو کافر و زندیق اور اس میں کچھ فرق نہ ہوگا خسر الدنیا والآخرۃ ہو گیا۔

یقیناً وہ اس آیت کریمہ کے مفہوم میں داخل ہوگا۔
دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَلِيَّتَنِي
اَلَّذَاتُ مَعَ الرَّسُولِ ۗ اَلَا اَفْسُوسٌ
سَبِيْلًا ۝ يُوَيْلِيْٓ لِيَّتِي
لَمَّا اَتَّخَذْتُ لَهَا نَاصِحًا
لَقَدْ اَمَلْتُ عَنِ الذِّكْرِ
بَعْدَ اِذْ جَاءَنِي وَكَانَ
الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسٰنِ
خٰذِلًا ۝

اور اس حالت کو یاد رکھو جب ظالم
آدمی (جس نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو پس
پشت پھینکا تھا) انتہا درجہ کا افسوس
کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ کاٹے
گا اور کہے گا، کاش! میں نے
پیغمبر خدا کے ساتھ رہنا، اس کھراستے
پر چلنا اختیار کیا ہوتا۔ ہائے افسوس!
کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا دوست
نہ بنایا ہوتا۔ بے شک اس نے مجھے
بہکا کر اللہ کے کلام سے دور پھینک دیا
جب کہ وہ میرے پاس آچکا تھا اور بیشک
شیطان انسان کو تکلیف کے وقت
بالکل اکیلا چھوڑ دینے والا ہے۔

(الفرقان: ۲۶ تا ۲۹)



اطاعتِ الہی اور اطاعتِ رسول

رسولوں کی بعثت کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تو اس لیے فرض ہے کہ آپ کی اطاعت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے فرمایا:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ | جس شخص نے رسول کی اطاعت کی تو
أَطَاعَ اللَّهَ (النساء: ۸۰) | بے شک اس نے خدا کی اطاعت کی

پس حلال نہی ہے جو رسول نے حلال ٹھہرایا اور حرام وہی ہے جسے رسول نے حرام قرار دیا اور دین وہ ہے جسے رسول نے شریعت قرار دیا اور کیوں نہ ہو، رسول کے بھیجنے کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچائے اور اس کے احکام کی بے کم و کاست تبلیغ کرے لیکن رسول کو چھوڑ کر دوسرے علماء و مشائخ اور ملوک و علماء سب کی اطاعت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ان کا حکم اور ان کی ہدایت و ارشاد، اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی شریعت کے موافق ہو۔ ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا | اے مومنو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت
اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ | کرو اور اس کے رسول کی اطاعت
أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ | کرو اور مومنین حاکموں کی اطاعت
(النساء: ۵۹) | کرو

مأمور من اللہ اور اولی الامر | الرسول کے ساتھ اَطِيعُوا كَالْفِعْدِ دُوبَارَه ذکر کرنے میں

یہ نکتہ ہے کہ رسول کی اطاعت بھی خدا کی اطاعت کی طرح ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حکم بیان کریں تو کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے ماننے میں چون و چرا کرے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے مامور ہو کر حکم دیتے ہیں:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ
إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ

وہ تو اپنی خواہش نفسانی سے کچھ بھی نہیں
کہتا، اس کو تو وحی آتی ہے (تب وہ
بولتا ہے)

(النجم: ۳، ۴)

برخلاف اس کے علماء اور مشائخ اور ملوک و امرا جن کو اس آیت میں "اولی الامر" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، کسی ایسی بات کا بھی حکم ان سے صادر ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ اور اس کے احکام کے خلاف ہو۔ اس لیے "اولی الامر" کے لفظ کو "الرسول" پر عطف کیا گیا ہے یعنی ان کی اطاعت کے لیے یہ شرط ہے کہ ان کا حکم "الرسول" کی تعلیم کے مطابق ہو۔ اس کی توضیح اسی آیت کے آخری حصہ سے ہوتی ہے کہ:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ
فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ
فَسُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ
إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

اگر بالفرض کسی بات میں تمہارا اختلاف
ہو جائے تو اگر تم اللہ اور آخرت کے
دین پر ایمان رکھتے ہو تو اس اختلاف
کا فیصلہ کرنے کے لیے اللہ اور اس
کے رسول کی طرف رجوع کرو۔

(النساء: ۵۹)

دین کا ملخص | اس تقریر کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے سے یہ بات بخوبی تمہاری سمجھ
میں آ سکتی ہے کہ دین کا ملخص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کی جائے اور بس۔
ارشاد ہے:

سوائے اللہ کے کسی کو حکم دینے کا حق
حاصل نہیں۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ
(یوسف: ۴۰)

اور فرمایا:-

اور کافروں کے ساتھ لڑو، یہاں تک
کہ کفر و شرک کا فتنہ ختم ہو جائے اور
تمام نرطاعت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے
ہو جائے (صرف اسی کا حکم مانا جائے)

وَقَاتِلُوا حَتَّى لَا تَكُونَ
فِتْنَةً وَتَكُونَ الدِّينُ
كُلَّهُ لِلَّهِ
(الانفال: ۳۹)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ اس شخص کے
بارے میں کیا فرماتے ہیں جو اس لیے جہاد کرتا ہے کہ اسے شجاع و بہادر کہا جائے۔ یا
قومیت کی خاطر لڑتا ہے یا ریاکاری کی بنا پر تو کیا اسے مجاہد فی سبیل اللہ کا نام دیا جائے گا؟
آپ نے فرمایا:

مجاہد فی سبیل اللہ وہ ہے جس نے
اس غرض سے جہاد کیا کہ اللہ کے دین
کا بول بالا ہو۔

مَنْ قَاتَلَ لِيَكُونَ كَلِمَةً
اللَّهُ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ

غلوفی التوحید | بہت سے لوگ کسی خلیفہ یا عالم یا شیخ یا امیر کو اس حد تک مجنوب سمجھنے
لگتے ہیں کہ اس کو خدا کا شریک بنا دیتے ہیں اور گو وہ بظاہر ہی کہتے ہیں کہ ہماری محبت ان
کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے لیکن جو شخص سوائے رسول کے کسی اور کو یہاں تک
بڑھاتا ہے کہ اس کے ہر ایک امر اور نہی کو بغیر چون و چرا کے تسلیم کر لیتا ہے، چاہے
اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت ہوتی ہو تو سمجھ لو کہ اس نے اس کو
خدائے تعالیٰ کا شریک بنا لیا۔

پیری مریدی کا جوش جنون اور کچھ بعید نہیں کہ عقیدت کا جوش اس کو اپنے محبوب کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنے پر آمادہ کرے جو نصارے لوگ حضرت علیؑ یا اپنے اہل بیت اور رہبان کے ساتھ کرتے ہیں، یعنی قضائے حاجات کے لیے اس کو پکارنے لگے۔ اس سے فریاد خواہی کرے، اس کے دوستوں سے محبت رکھے اور اس کے دشمنوں کو مبغوض سمجھے اور ہر ایک بات میں اس کی اطاعت کو لازم سمجھے۔

بے شک یہ ارشاد باری تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کے حق میں نازل ہوا ہے کہ:-

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ
مِن دُونِ اللَّهِ
كُفُوبًا لَّهُ
لَعْنَةُ اللَّهِ
(البقرہ : ۱۶۵)

لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو غیر اللہ کو اس کا شریک گردانتے ہیں اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں کہ جیسی اللہ کے ساتھ کرنی چاہیے۔



لہ جیسے کہ اکثر مرید اپنے پیروں کے ساتھ ہی سلوک کرتے ہیں اور اپنے عقیدہ کی ترجمانی کے لیے یہ شعر زباں پر لاتے ہیں :-

بہ سے سجادہ زنگیں کن گمرت پر مغال گوید
(مترجم)

ایمان اور اسلام کا مفہوم

عقائد و اعمالِ قلب | الغرض قلب کے اعمال میں بھی توحید اور شرک کی ویسی ہی حکومت ہے جیسی کہ قلب کے عقائد میں چنانچہ بنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

التوحید قول القلب و | توحید دل کا قول ہے اور توکل اس
الترکل عمل القلب | کا عمل ہے۔

اس توحید قولی سے آپ کی مراد قلب کی تصدیق ہے کیونکہ اس کو توکل کے مقابلہ میں استعمال کیا گیا ہے۔ ورنہ ویسے اگر توحید کا لفظ استعمال کیا جائے تو وہ قلب کے قول (یعنی اس کی تصدیق) اور اس کے عمل دونوں کو شامل ہوتا اور توکل بھی توحید کا تتمہ ہے۔ اس کی مثال بعینہ ایمان کے لفظ کی ہے کہ اگر اس کو علیحدہ استعمال کیا جائے تو تمام ظاہر اور باطن کے اعمال اس کے مفہوم میں داخل ہوتے ہیں۔ عام طور پر سلف کا یہ قول مشہور ہے کہ:

”الایمان قول و عمل“ جس کے یہ معنی ہیں کہ ایمان، قلب اور

زبان کے قول اور قلب اور جوارح کے اعمال کا نام ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

الایمان بضع و ستون شعبة | ایمان کی کچھ اور پر ساکھ شاخیں ہیں

اعلاہا قول لا الہ الا اللہ | اعلیٰ شاخ لا الہ الا اللہ کنا اور ادنیٰ ترین

و ادناها ماطة الاذی عن | شاخ یہ ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ

الطریق و الحیاء شعبۂ
من الایمان

چیز کو ہٹا دیا جائے اور حیا سمجھی ایمان
کی ایک شاخ ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ
آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا
بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ
هُمُ الصَّادِقُونَ ○

یقیناً مومن وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ
اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں
اور پھر انہوں نے کبھی اس میں شک
نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے
میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد
کیا۔ یہی لوگ سچے ایمان دار ہیں۔

(الحجرات: ۱۵)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ
إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَّتْ
قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ
عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ
إِيمَانًا وَعَلَىٰ مَا بِهِمْ
يُؤْتُونَ الَّذِينَ يُقِيمُونَ
الصَّلَاةَ وَ مِمَّا مَرَّتْ
عَنْهُمْ يُنْفِقُونَ أُولَئِكَ
هُمُ الْمُؤْمِنُونَ
حَقًّا

یقیناً مومن وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ
تعالیٰ کا ذکر کیا جاوے تو ان کے دل
ڈرنے لگتے ہیں اور جب ان پر
اس کی آیتیں پڑھی جائیں تو ان کی
تلاوت ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں۔
اور وہ صرف اپنے پروردگار پر بھروسہ
رکھتے ہیں۔ وہ لوگ ہیں جو نماز کو قائم
رکھتے اور جو چیز ہم نے ان کو بخشی ہو
اس سے کچھ خرچ کرتے ہیں۔ یہی
لوگ سچے مومن ہیں۔

(الانفال: ۲ تا ۴)

تیسری جگہ فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ
 اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ
 وَاِذَا كَانُوْا مَعَهُ عَلٰى
 اَمْرٍ جٰمِعٍ لَّمْ يَذُفُّوْا
 حَتّٰى يَسْتَأْذِنُوْا (النور: ۶۲)

سچے مسلمان تو وہی لوگ ہیں جو اللہ اور
 اس کے رسول پر ایمان رکھیں اور جب
 کبھی رسول کے ہمراہ کسی جمعیت کے کام
 میں جاتے ہیں تو اس کی اجازت کے
 بغیر ادھر ادھر نہیں جاتے۔

ہر مسلم مومن نہیں ایمان کا لفظ مطلق ذکر کیا جائے تو وہ اسلام کے مفہوم کو بھی شامل ہوتا
 ہے جیسا کہ صحیحین کی ایک حدیث ہے کہ جب قبیلہ عبد القیس کا وفد آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ:

اَمْسُكُمْ بِالْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ
 اَتَذُرُوْنَ مَا الْاِيْمَانُ
 بِاللّٰهِ شَهَادَةٌ اَنْ لَا اِلٰهَ
 اِلَّا اللّٰهُ وَاَنْ مُحَمَّدًا
 رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ
 وَاِيْتَاءَ الزَّكٰوةِ وَاَنْ
 تَعُوْذُوْا اِخْمَسَ مَا غَنِمْتُمْ

میں تم کو ایک خدا پر ایمان لانے کا حکم
 دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ خدا پر ایمان
 لانے کے کیا معنی ہیں؟ اس کے یہ
 معنی ہیں کہ تم اس بات کی شہادت
 دو کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی
 معبود نہیں اور حضرت محمد اس کے رسول
 ہیں، نماز قائم رکھو، زکوٰۃ دیا کرو اور جو
 کچھ مال غنیمت تمہارے ہاتھ آئے اس
 کا پانچواں حصہ بیت المال میں داکیا کرو۔

اسی بنا پر سلف فرماتے ہیں کہ:

كُلُّ مُؤْمِنٍ مُّسْلِمٍ وَ لَيْسَ
 كُلُّ مُسْلِمٍ مُّؤْمِنٍ

ہر ایک مومن، مسلم ہے لیکن ہر ایک
 مسلم مومن نہیں ہے۔

حقیقتِ ایمان، اسلام، احسان

الغرض مطلق ایمان کا لفظ استعمال ہوتا اعمال

اس کے مفہوم میں داخل ہوتے ہیں جیسے کہ تفصیل بالا سے ظاہر ہے لیکن اگر اس کے مقابلے میں اسلام یا عمل کا ذکر کیا جائے تو وہاں پر ایمان کا مفہوم یقین قلبی تک محدود رہتا ہے جیسے کہ کلام پاک میں کثرت سے إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مذکور ہے۔

صحیحین کی ایک حدیث ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے ایک آدمی کی شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان، اسلام اور احسان کی حقیقت دریافت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا،

○ الْإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ	ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے
وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ	فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں پر
وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَ	یقین کرو۔ مرنے کے بعد زندہ ہونے
تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرٌ وَ	کی تصدیق کرو اور خیر و شر کے اللہ تعالیٰ
شَرٌّ	کی طرف سے مفدر ہونے کو تم باور کرو

○ الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ	اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی شہادت
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا	دو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور محمد اس
رَسُولُ اللَّهِ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ	کے رسول ہیں اور نماز کو قائم رکھو
وَتُعْتِقَ الرِّقَابَ وَتَصُومَ	اور زکوٰۃ ادا کرو۔ رمضان کے روزے
مَنْ مَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ	رکھو اور بیت اللہ کا حج بجالاؤ۔

○ الْإِحْسَانُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ	احسان کے معنی یہ ہیں کہ تم خدا تعالیٰ
كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ	کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اس کو
تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ	دیکھ رہے ہو اور اگر بالفرض تم اس کو
---	دیکھ نہیں سکتے تو اس میں شک

نہیں کہ وہ تم کو دیکھ سکتا ہے۔

اس حدیث میں ایمان اور اسلام کے مفہوم کو الگ الگ بیان فرمایا ہے لیکن اس سے پہلے جو حدیث مذکور ہے اس میں چونکہ صرف ایمان کا ذکر ہے (یعنی اس کے مقابلے میں اسلام وغیرہ مذکور نہیں) اسلام کے مفہوم کو بھی اس کے مفہوم میں داخل بتایا ہے۔

منتقاد و مطیع کی تشریح | ظاہری اعمال، ایمان بالقلب کا نتیجہ اور اس کے مقصدی

میں، جس کا الفاظ دیگر یہ مطلب ہے کہ اگر دل میں ایمان ہو گا تو یہ ضروری ہے کہ جوارج سے بھی اس کے مناسب اعمال سرزد ہوں۔ ایمان بالقلب کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ نہ صرف اس کا دل جس چیز پر وہ ایمان لایا ہے اس کی بھی تصدیق کر لے بلکہ اس کے لیے منتقاد اور مطیع ہو جائے۔ اس لیے اگر کوئی شخص دل سے اس بات کی تصدیق کرے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں لیکن اس کے دل میں آپ کی نسبت بغض اور حسد بھرا ہوا ہے اور وہ آپ کی متابعت سے سرباہی کرتا ہے تو سمجھ لیں کہ اس کا دل مومن نہیں ہے۔

حواس و ادراک سے بالاتر امور | یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگرچہ ایمان کے مفہوم میں تصدیق کے معنی پائے جاتے ہیں لیکن ہر ایک تصدیق کو ایمان سے تعبیر نہیں کر سکتے مثلاً کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ دو کا نصف ایک ہے یا آسمان ہمارے سروں پر ہے یا زمین ہمارے قدموں کے نیچے ہے یہاں یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کو ان باتوں پر ایمان ہے بلکہ ایمان کا اطلاق ان امور کی تصدیق پر ہوتا ہے، جو حواس کے ادراک سے بالاتر ہوں اور ان کا جاننا بدیہی نہ ہو، جیسے حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے باپ سے کہا:

آپ ہماری بات کو ماننے والے

نہیں

وَمَا أَنْتَ بِمُعْتَدِلِنَا

(یوسف: ۱۶)

کیونکہ انہوں نے ایک ایسی خبر کی اطلاع دی تھی جو ان سے پوشیدہ تھی اور وہ اس کے باور کرنے میں اختلاف کرتے تھے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمَا أَمِنَ لِمَوْسَىٰ إِلَّا | پس موسیٰ پر سوائے اس کی قوم کے
ذُرِّيَّةً مِّن قَوْمِهِ | چند آدمیوں کے کوئی بھی ایمان نہ لایا۔
(یونس: ۸۳)

نیز فرمایا:

وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ | اور بعض ان میں سے وہ لوگ ہیں جو
النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ | نبیؐ کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
قُلْ أُذُنٌ خَيْرٌ لَّكُمْ يُؤْمِنُ | وہ کان کے کچے ہیں۔ کہہ دو (اے نبیؐ)
بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ | وہ تمہارے فائدے کے کان ہیں
اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں پر
یقین۔ (التوبہ: ۶۱)

یہاں ایمان باللہ اور ایمان بالمومنین میں فرق کیا گیا ہے جس سے مراد مومنوں کی تصدیق کرنا ہے۔

بہر حال ایمان باللہ سے مقصود اقرار لسانی ہے جیسے فرعون اور اس کے سرداروں کا قول ہے جو حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کے متعلق انہوں نے کہا۔ قرآن میں ہے:

أَنُؤْمِنُ بَشَرَيْنِ مِثْلِنَا | کیا ہم ان پر ایمان لائیں جو ہماری طرح
(المومنون: ۴۶) | دو آدمی ہیں۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کا اقرار اور تصدیق نہیں کرتے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

أَفَتُطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا | کیا تم اس بات کی امید رکھتے ہو کہ
لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فِئْتُقًا | وہ تم پر ایمان لے آئیں گے، حالانکہ

مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ
ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا
عَقَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ

دوسرے معنی کے متعلق فرمایا:

ان میں سے ایک گروہ اللہ کے کلام کو
سنتا ہے اور پھر سمجھ لینے کے بعد اس کی
تحریف کر دیتا ہے (البقرہ: ۷۵)

يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ

(البقرہ: ۱۳)

وہ غیب کی حقیقتوں پر ایمان لے آتے
ہیں۔

اور فرمایا:

أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ
إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ
كُلٌّ أَمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ
وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ
بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ

(البقرہ: ۱۲۸)

جو کچھ اللہ کی طرف سے اتارا گیا ہے اس
پر رسول اور مومن ایمان لاتے ہیں اور
اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس کے فرشتوں
اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر
(اور کہتے ہیں کہ ہم اس کے رسولوں میں
سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے)

اور دوسری جگہ فرمایا:

لَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَ
الْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَ
الْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ

(البقرہ: ۱۷۷)

لیکن نیکی یہ ہے کہ جو شخص اللہ پر آخرت
کے دن پر، اس کے فرشتوں پر، اس
کی کتاب پر اور اس کے نبیوں پر ایمان
لانا یعنی سب کا اقرار کرنا۔

اور اس طرح قرآن شریف میں کثرت سے آیات آئی ہیں۔

مومن اور کافر کی شناخت | الغرض ایمان بعض امور غیبیہ کے ماننے کا نام ہے اور

یہ بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے کہ قلب میں اس کی تصدیق پر عمل بھی پایا جائے۔

کیونکہ اگر ایک آدمی جانتا ہے اور اس کو یقین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے رسول ہیں لیکن اس کے دل میں ان کی محبت اور تعظیم نہیں بلکہ اس کے بجائے بغض اور حسد سے اس کا دل لبریز ہے اور وہ آپ کے اتباع کو اپنے لیے کسرِ نشان سمجھتا ہے ایسے شخص کو مومن نہیں بلکہ کافر کہیں گے۔ ابلیس، فرعون، اور بعض اہل کتاب کا کفر اسی قسم کا ہے۔

انکارِ شیطانی کی نوعیت | ابلیس اچھی طرح جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس پر شرف بخشا ہے اور اس کے حکم سے وہ ملائکہ کا مسجود قرار پایا ہے لیکن اس کا تاجر اس کو اجازت نہیں دیتا تھا کہ وہ حکمِ الہی عزوجل کی تعمیل میں اپنا سر خم کرے۔ اسی تاجر و غرور کی بدولت وہ راندہ درگاہِ الہی قرار پایا۔

فرعون کا انکار | اسی طرح فرعون بھی جانتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک سچا رسول ہے۔ قرآن میں ہے:-

<p>بادجو دیکھ فرعون اور اس کی قوم اپنے دلوں میں یقین کرتے تھے کہ حضرت موسیٰ کی لائی ہوئی نشانیاں سچی ہیں لیکن پھر بھی انہوں نے ازراہِ تجر و عناد ان کا انکار کیا۔</p>	<p>وَجَعَلُوا بِهَا أَسْتَيْقِنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (النمل: ۱۴)</p>
---	---

دوسری جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول منقول ہے جس سے آپ نے فرعون کو مخاطب فرمایا ہے۔ قرآن کا بیان ہے:

<p>اے فرعون بے شک تم جانتے ہو کہ یہ نشانیاں جو چرائی بعصرت ہیں اسی خدا نے نازل فرمائی ہیں جو</p>	<p>لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا أَنْزَلَ الْأَرْبَابُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِمَسَارِعٍ وَأَنَا الْغَلِيظُ الظَّالِمِينَ</p>
--	--

يُفِضُ عَوْنُ مَثْبُورًا ○
 آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور
 بیشک میں خیال کرتا ہوں کہ تم ہلاک
 ہو کر رہو گے۔
 (بنی اسرائیل: ۱۰۲)

اہل کتاب کے حق میں وارد ہوا ہے۔ ارشاد باری ہے:

الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ
 يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ
 بُنَاءَهُمْ
 جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے
 وہ رسول کو اس طرح پہچانتے
 ہیں جس طرح کوئی اپنے بیٹے کو
 پہچانتا ہے (اور اس کی شناخت
 میں کبھی غلطی نہیں کرتا۔
 (البقرہ: ۱۲۶)

علم اور عمل کی ناموافقیت | بنا بر دلائل مذکورہ بالا اگر دل میں علم تو ہو لیکن عمل قلب
 اس کے موافق نہ ہو تو یہ علم و دانش کچھ بھی مفید نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سخت ترین عذاب اس شخص کے
 لیے ہے جس نے اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی
 دعائیں اکثر فرمایا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ
 مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَنَفْسٍ لَا
 تَسْبَعُ وَدُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ
 وَقَلْبٍ لَا يَخْشَعُ
 خدایا! میں تیری پناہ میں آتا ہوں،
 ایسے علم سے جو نفع رساں نہ ہو اور
 ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو اور ایسی
 دعا سے جو قبول نہ ہو اور ایسے
 قلب سے جو عاجزی نہ کرے۔

فرقہ جہمیہ کا اعتقاد | بایں ہر فرقہ جہمیہ کا خیال ہے کہ صرف تصدیق قلبی کا نام ایمان
 ہے اور جہاں کہیں شریعت نے کسی کے حق میں یہ کہا کہ وہ مومن نہیں تو سمجھ لو کہ اس

کے قلب میں تصدیق نہیں مٹتی لیکن ایسا خیال کرنا ایک بہت بڑی جہالت ہے اور ان کے اس قول سے یہ لازم آتا ہے کہ مومن اور کافر میں کچھ فرق نہیں۔ ویکھ بن الجراح اور امام احمد بن حنبل وغیرہ ائمہ رحمہم اللہ نے ایسے لوگوں کو جن کا یہ اعتقاد ہو، کافر کہا ہے۔

تصدیق قلبی اور عملی قلبی

الایمان قولٌ وعملٌ | یہ ایک مانی ہوئی اور معلوم بات ہے کہ انسان بعض اوقات حق اور باطل کو پہچانتا ہے تاہم کسی خاص عرض کے لیے حق کو تسلیم کرنا اس پر شاق ہوتا ہے اور وہ اس کو مبغوض سمجھتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جو شخص ازراہ تبحر حق کا انکار کرتا ہے وہ دل میں بھی اس کی حقانیت کا مائل نہ ہو لہذا ہم کہتے ہیں کہ ایمان کی حقیقت فقط تصدیق قلبی کا نام نہیں بلکہ عمل قلبی بھی اس میں شامل ہے جس کی پہلے تشریح کی گئی ہے اس لیے سلف صالحین فرمایا کرتے تھے کہ **أَلَا يُمَانٌ قَوْلٌ وَعَمَلٌ**

ایمان کا مقتضی | اب تم یہ سمجھ لو کہ جب دل میں تصدیق کامل کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی محبت بھی بدرجہ اتم موجود ہو جو بہر حال ایمان کا مقتضی ہے تو یقیناً اس محبت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے دل میں اعمالِ صالحہ کے لیے جازم ارادہ پیدا ہوگا۔ اس حالت میں اعمالِ صالحہ کا ظہور میں آنا قطعی ہے کیونکہ جازم ارادہ کے ساتھ اگر قدرت علی العمل بھی موجود ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ عمل جس کا ارادہ کیا گیا ہے ظہور میں نہ آئے کیونکہ یقین کامل کے ساتھ اعمالِ صالحہ لازمی ہیں۔

ارادہ اور قدرت کی کمزوری | کسی عمل کے وجود میں آنے سے صرف دو باتیں مانع

ہو سکتی ہیں۔ ناقص اور کمزور ارادہ اور ناقص قدرت لیکن اگر ان دونوں صفات میں کوئی نقصان نہیں تو انفعال اختیار کا وجود میں آنا تطبیعی اور لازمی ہے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ جب دل اس بات کا قائل ہے کہ حضرت محمد اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپ کی محبت بھی علی الیکمال قلب میں موجود ہے تو ممکن نہیں کہ وہ شخص باوجود قدرت کے زبان سے اقرار نہ کرے۔ یہ اور بات ہے کہ گونگا ہونے کی وجہ سے یا کسی دوسرے عذر کی بنا پر وہ زبان سے شہادت کا اظہار کرنے سے قاصر ہو ورنہ دلی جذبات کا اقرار لسانی ضروری ہے۔

نقص یقین ابی طالب | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کو اگرچہ اس بات کا یقین تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے رسول ہیں۔ ساتھ ہی اس کو آپ سے محبت بھی تھی لیکن اس کی یہ محبت اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں تھی بلکہ اس کی محبت خون کے تعلق پر مبنی تھی کیونکہ آپ اس کے بھتیجے تھے اور وہ آپ کا غلبہ اور تفوق اس لیے نہیں چاہتا تھا کہ آپ خدائے تعالیٰ کے رسول ہیں بلکہ اس لیے کہ آپ کے غلبہ اور تفوق حاصل کرنے میں خود اس کی اپنی عزت اور تفوق کا راز مضمر تھا لیکن جب اس کی موت کا وقت قریب آگیا اور دنیاوی تفوق کے متعلق اس کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں تو اس نے اپنے آباء و اجداد کے دین پر قائم رہنے کو بھتیجے کی رضامندی حاصل کرنے پر ترجیح دی اور توحید و رسالت کا اقرار کرنے سے انکار کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کی محبت ابو بکر صدیق، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر مومنوں کی طرح نہیں تھی جو آپ کو اس لیے محبوب سمجھتے تھے کہ آپ خدا کے برگزیدہ سچے رسول ہیں۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱۔ جملہ مفسرین کے نزدیک یہ آیت حضرت ابو بکر کے حق میں نازل ہوئی ہے اور آپ کا سارا مال و دولت رضائے الہی کے حصول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وقف تھا۔ (ناشر)

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ○ الَّذِي
يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ○ وَمَا
لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ
يُجْنَى ○ إِلَّا أُنْفَعَاءُ
وَجْهٍ مِّنْ بِهِ الْأَعْلَى ○
وَلَسَوْفَ يَرْضَى ○
(الليل: ۱۶ تا ۲۱)

عنقریب اس دوزخ سے وہ بڑا
پرہیزگار بچا لیا جائے گا جو اپنا مال تزکیہ
حاصل کرنے کو دیتا ہے اور کسی لہر اس
پر احسان نہیں تھا کہ اس کا وہ بدلہ
اتا رہتا ہے۔ صرف اپنے پروردگار کی
خوشنودی حاصل کرنے کو خرچ کرتا
ہے۔ وہ جلد راضی ہو جائے گا۔

اور یہی وجہ تھی کہ ابوطالب کے تمام اعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی اور
آپ کی نصرت و تائید سب اکارت ہو گئے کیونکہ ان اعمال سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی
حاصل کرنا اس کا مقصد نہیں تھا۔

ضرورتِ ایمان اور توحید | اس سے صحت اور واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ایمان
اور توحید میں تصدیقِ قلبی کے ساتھ ساتھ عملِ قلبی کی بھی ضرورت ہے پس دینِ خالص
وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور دینِ کامل نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ عمل
کی تصدیق شامل نہ ہو کیونکہ دینِ اطاعت اور عبادتِ الہی کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے
کلام مجید میں دو سورتیں توحید کے بارے میں نازل فرمائی ہیں، ایک سورہٴ اخلاص
اور دوسری سورہٴ الکفر "ان میں سے پہلی سورت توحیدِ عملی اور توحیدِ قولی پر مشتمل ہے
جسے فرمایا:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ○ اللَّهُ
الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ
يُولَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ
كُفُوًا أَحَدٌ ○
(لے نبی!) فرمادیں گے اللہ ایک ہے
اللہ بے نیاز ہے نہ اس کا کوئی بیٹا ہے
اور نہ کوئی اس کا باپ اور نہ اس کا کوئی
ثانی و ہمسر ہے۔

اور دوسری سورہ کا مضمون ارادہ اور عمل کی توحید ہے جیسے فرمایا:

○ فَسُبْحٰنَ رَبِّيَ اَعْلٰی مَا كُنَّ تَعْبُدُونَ ○	اسے نبی! کہہ دو کہ اے قوم کفار! میں
○ لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ○	اس کی پرستش نہیں کرتا جس کی تم
○ وَلَا اَنْتُمْ عِبَادُوْنَ مَا	عبادت کرتے ہو اور تم اس کی عبادت
○ اَعْبُدُوْنَ ○ وَلَا اَنَا عَابِدٌ	نہیں کرتے جس کو میں پوجتا ہوں اور
○ مَا عَابَدْتُمْ ○ وَلَا اَنْتُمْ	نہ میں اس کی عبادت کروں گا جسے تم
○ عِبَادُوْنَ ○ مَا اَعْبُدُ ○	پوجتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے
○ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ○	والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں
(الکافرون: آیت ۶)	تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔

پہلی سورہ میں ان صفاتِ علیا کا بیان ہے جس سے علمی توحید کے مختلف پہلو واضح ہوتے ہیں اور دوسری میں غیر اللہ کی عبادت سے بیزاری کا نہایت موکدراظہار ہے اور یہ کہ عبادتِ خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔



توکل اور عبادت کا مفہوم

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ بعض الفاظ مثلاً "ایمان" وغیرہ ایسے ہیں کہ جب وہ کسی دوسرے لفظ مثلاً "اسلام" وغیرہ کے مقابلے میں مذکور ہوں تو ان کا مفہوم محدود ہوتا ہے لیکن اللہ استعمال کیے جانے کی حالت میں ان کا مفہوم بہت وسیع ہوتا ہے۔ اسی طرح "عبادت" کا لفظ بھی اگر توکل وغیرہ سے علیحدہ استعمال کیا جائے تو توکل اور دوسرے مقامات اس کے مفہوم میں داخل سمجھے جاتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ | عِبَادًا لِّمَن دُونِ اللَّهِ
إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ○ | پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

(الذاریات: ۵۶)

اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا | اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔
مَن بَدَعُكُمْ

(البقرہ: ۲۱)

یہاں جو عبادت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ تمام مامورات کی بجا آوری اور تمام منہیات سے باز رہنے کے مفہوم پر مشتمل ہے لیکن ایک دوسری جگہ توکل کو اس پر عطف کیا گیا ہے۔ جو مغائرت کی دلیل ہے۔ فرمایا ہے:

فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ | تم اللہ ہی کی عبادت کرو اور اسی پر
بھروسہ رکھو۔

(النحل: ۱۳۳)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ
نَسْتَعِينُ (الفاتحہ) | ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور
تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

یہاں عبادت کا مفہوم محدود ہے۔

معانی عموم و خصوص | وہ الفاظ جو کبھی عموم اور کبھی خصوص کے معنی دیتے ہیں منجملہ ان کے
ایک لفظ منکر ہے جو اکثر معروف کے مقابلے میں استعمال ہو کر عموم کے معنی دیتا ہے مثلاً
مسلمانوں سے خطاب ہے کہ ان کا اصلی مشن کیا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ
لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
(آل عمران: ۱۱۰) | تم سب امتوں میں سے بہتر ہو جو لوگوں
کے لیے بھیجے گئے ہو۔ اچھے کاموں
کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے
روکتے ہو۔

یا جیسے رسول خدا کو حکم ہوا کہ یہ دو دلدلارے سے اس طرح خطاب کریں:

يَا مَعْزُومٍ بِالْمَعْرُوفِ
وَيَنْهَاهُمُ عَنِ الْمُنْكَرِ
(الاعراف: ۱۵۷) | آپ ان کو نیک کام کا حکم کریں اور
برے کاموں سے منع کریں۔

یعنی ہر ایک ایسی بات کہ عقل، شرع اور فطرت اس کا انکار کرے اور اس کو برا
سمجھے اسے منکر سے تعبیر کیا ہے، اس میں ہر قسم کی بے حیائی بھی داخل ہے لیکن
ذیل میں بے حیائی کو اس کا معطوف علیہ بنایا ہے جو اس بات کا قرینہ ہے کہ منکر
کو محدود مفہوم کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ الْمَلَأَةَ تَنْهَى عَنِ
الْفُحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ
| بیشک ناز کی پابندی انسان کو بھائی
اور دوسرے برے کاموں سے روکتی ہے۔

(العنکبوت: ۲۵)

اور فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ قَاتِلِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ

بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم انصاف کرو، احسان کرو، رشتہ داروں کو کچھ دیا کرو اور بے حیائی اور برے کاموں سے بھی وہ تم کو منع کرتا ہے۔ (النحل: ۹۰)

اسی طرح فقرار اور مساکین کا لفظ اگر ساتھ ساتھ استعمال کیا جائے تو ان دونوں کے مفہوم میں فرق ہوتا ہے لیکن الگ الگ استعمال ہوں تو ایک کا مفہوم دوسرے کے مفہوم میں داخل سمجھا جاتا ہے۔

مفہوم محبت، توکل، خوف | الغرض خالص اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت رکھنا، فقط اسی کی ذات پر بھروسہ کرنا، صرف اسی سے ڈرنا اور کسی دوسرے کا خوف دل میں نہ لانا، یہ سب باتیں توحید کے مفہوم میں داخل ہیں۔ محبت کے بارے میں یہ آیت کئی بار پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ

بعض لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو اس کا شریک بناتے ہیں اور ان کے ساتھ خدا کی طرح محبت رکھتے ہیں لیکن جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔

(البقرہ: ۱۷۵)

اور فرمایا:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَمْوَالٌ كُفْرًا وَآخُونَكُمْ وَأَمْوَالٌ كُفْرًا وَآخُونَكُمْ وَأَمْوَالٌ كُفْرًا وَآخُونَكُمْ وَأَمْوَالٌ كُفْرًا

(اے نبی!) ان سے کہو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز واقارب اور

اَقْتَرْتُمْوهَا وَتِجَارَةً
تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ
تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ
مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَ
جِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا
حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ
التوبہ: ۲۴

تمہارا جمع کیا ہوا مال اور تمہاری تجارت
کہ جس کی کساد بازاری کا خوف رکھتے ہو
میں تمہارے پسندیدہ مکان اگر تمہیں اللہ
اور اس کے رسولؐ سے اور اللہ کے
رستے میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب
ہیں تو اس وقت کے منتظر رہو جبکہ
اللہ تعالیٰ اپنے حکم کو تمہارے سامنے لائے

اور فرمایا:

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
وَيُخْشِ اللَّهَ فَإِنَّ لَهُ
فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ
(النور: ۵۲)

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت
کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی
خاطر پر ہیزگاری کرے پس ایسے لوگ
ہی کامیاب ہوں گے۔

یہاں اطاعت کو اللہ اور رسولؐ دونوں کے لیے بیان فرمایا ہے اور خشیت اور
تقویٰ کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر رکھا۔ اور فرمایا:

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا
أَتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ
قَالُوا أَحْسَبْنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا
اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ
إِنَّا إِلَى اللَّهِ مَاعْبُونَ
(التوبہ: ۵۹)

اور اگر وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے
دیے ہوئے پر راضی ہو جاتے اور کہہ
دیتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اور
اس کا رسولؐ اپنے فضل سے جلد ہی
اور زیادہ دے دیں گے اور ہم اللہ کی
طرف ہی راغب ہیں۔

اور فرمایا:

فَإِذَا فَنَعْتَنَا فَانصَبْ ۝ (المعنی بنی! جب (تبلیغ سے) فراغت
وَالِی مَرِّبِكَ فَإِنْ غَبَّ ۝ (الانشراح: ۸۲۷)
پاؤ تو ریاضت کرو اور اپنے رب کی
طرف رغبت کرو۔

یہاں ریاضت اور رغبت صرف اللہ کے لیے قرار دی۔
دوسری جگہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھنے کے نتیجہ کو ان الفاظ میں ظاہر
فرمایا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ | تَمَّ كَوْنِي أَيْسَى قَوْمٍ نَهَيْتُمْ بِأَوْدِغِ جِوَالِدِ تَعَالَى
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ | اور قیامت کے دن پر ایمان لائے
مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ | ہوں اور پھر وہ ان لوگوں سے محبت
وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ
كُرِيهِمْ جِوَالِدِ تَعَالَى اور اس کے رسول
أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ
كُلِّ مَخَالَفَتِ كَرْتِي هِيَ بَچا ہے وہ
أَوْ عَشِيرَاتِهِمْ | لوگ اس کے سگے باپ یا بھائی ہوں
يَا إِنْ كَرْتِي لِحُجَّتِ جَلْرِي تَبِيلَهُ كَرْتِي
آدمی ہوں۔

(المجادلہ: ۲۲)

توکل کے متعلق کئی جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ
اگر تم مومن ہو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی
كُنْتُمْ مَوْءِمِنِينَ ۝ کی ذات پر بھروسہ رکھو۔ (المائدہ: ۲۳)
خشیت کے باب میں ارشاد ہوتا ہے:

وَيَخْشَوْنَ اللَّهَ وَلَا يَخْشَوْنَ
اللَّهَ كَرْتِي (رسول) اللہ ہی سے ڈرتے
أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ | ہیں اور سوائے اللہ کے اور کسی کا
خوف دل میں نہیں لاتے۔
(الاعزاب: ۳۹)

ان سب باتوں کا ذکر ہم نے کسی دوسری جگہ پر پوری تفصیل سے بیان کیا ہے۔
خلاصہ بحث | یہاں پر ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس قول میں لا الہ الا انت
توحید الوہیت کا اعتراف ہے اور اس کے مفہوم میں قلب کی تصدیق اور اس کا عمل
دونوں شامل ہیں۔ مشرکین عرب کو اس بات کا اقرار تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی سب اشیاء کا
خالق اور رازق ہے لیکن وہ الوہیت میں دوسروں کو اس کا شریک مٹھراتے تھے
حالانکہ توحید الوہیت کے یہ معنی ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی عبادت نہ کی
جائے اور سوائے اس کے کسی اور کو قبلہ حاجات نہ مٹھرایا جائے۔ روزمرہ ہر ایک
ناز کی ہر ایک رکعت میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کہہ کر اسی عقیدہ کا
اظہار اور اس کی تجدید کی جاتی ہے۔

نام نہاد صوفیہ کو نصیحت

غیر مشروع توجہات | بعض اوقات آدمی صرف اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے اور
اسی کی ذات پاک پر اس کا بھروسہ ہوتا ہے لیکن اس کا یہ سوال اور اس کا یہ توکل ان امور
کی بابت ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا، بلکہ ان سے اس کو منع فرمایا ہوتا ہے
اس سے ہماری مراد وہ نام نہاد صوفیہ ہیں جو غیر مشروع توجہات کے حامل ہیں اور ان
کا کشف اور تصرف ان امور سے تعلق رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے
خلاف ہیں۔

ان کا مسلح نظر | اکثر ان میں سے اللہ ہی سے مدد کے خواہاں ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ
اور اس کے رسول کی اطاعت نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ دنیاوی زندگی میں کامیاب

مُسُوْمِيْنَ ۝ | حاصل کرنا ان پر لازم ہے۔

سالمکانِ راہ کی کوتاہیاں | بعض دوسرے لوگوں کا نصب العین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت ہوتی ہے لیکن توکل اور استعانت باللہ کے مقام سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کو اپنی نیک نیتی اور خدا و رسول کی اطاعت کا یقیناً ثواب ملے گا لیکن جب تک وہ اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرنے اور اسی کی ذات پاک پر بھروسہ رکھنے میں ثابت قدم نہ ہوں، اولاً تو ان کی کامیابی مشکوک ہے اور اس لیے بعض ان میں آٹھائے سلوک میں ہی ہمت ہار جاتے ہیں۔ ثانیاً اگر وہ منزل مقصود تک پہنچنے میں کامیاب بھی ہو جائیں تو خود بینی میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید سے محروم رہ جائیں۔ انہی حالتوں پر یہ آیت شریفہ صادق آتی ہے:

وَ يَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبْتَكُمْ
كُنْتُمْ كَوْمًا فَالْمُتَعَنِّ
عَنْكُمْ شَيْئًا وَ مَنَاقَتُ
عَلَيْكُمْ أَلَا مَرَضٌ بِمَا
رَاجِبْتُمْ ثَمْرًا وَ لَيْتُمْ
مُدْبِرِينَ ۝ (التوبة: ۲۵)

اور جب جنگ حنین کے دن تم کو
تمہاری کثرت نے مغرور کر دیا تو تمہیں
کوئی چیز کفایت نہ کر سکی اور (بہ سبب
شکست کے) زمین بھی تم پر تنگ ہو
گئی اس لیے کہ تم نے خدا کا توکل چھوڑ
دیا پھر تم پیٹھ پھیر کر مہاجگ نکلے۔

اس کے بعد فرمایا:

ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ
ذَلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَ
اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

پھر اللہ اس کے بعد جس کی چاہے
گا اپنی رحمت سے توبہ قبول کرے گا
اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے

امراضِ ریام و عجب کا علاج | اکثر اوقات ریام اور عجب (نمود اور خود بینی) کی صفت ایک سا مفعول نمودار ہوتی ہے کیونکہ ان کی حقیقت ایک دوسرے کے قریب

قریب ہے۔ ریا میں کسی دوسری مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنایا جاتا ہے اور
عجب میں اپنے نفس کو خدا کا شریک مٹھرایا جاتا ہے بِرِیَاکَ نَعْبُدُ پہلے مرض کا علاج
ہے اور اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ دوسرے روگ کے استیصال کے لیے ہے صحیح حدیث
میں وارد ہوا ہے کہ:

<p>تین چیزیں انسان کو ہلاک کر دیتی ہیں بخل اور حرص کے عک پر عمل کرنا، خواہش نفس کی پیروی کرنا اور خود میں ہو جانا۔</p>	<p>ثَلَاثٌ مَّهْلِكَاتٌ شَحٌّ مَطَاعٌ وَ فَعْوَى مُتَّبِعٌ وَ اِعْجَابُ النَّفْسِ بِنَفْسِهِ</p>
--	--

جھوٹے پیروں کا فرقہ | ان دونوں فرقوں سے بدتر ایک اور فریق ہے جن کی نہ تو
عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ سے استعانت کرتے ہیں، ان
کی عبادت غیر اللہ سے ہوتی ہے۔ اس لیے یہ لوگ دونوں لحاظ سے مشرک ہیں۔ انہی
میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو شیاطین سے استعانت کرتے ہیں اور ایسے اعمال بجا
لانے ہیں جن کو شیاطین پسند کرتے ہیں مثلاً کذب اور فحور۔ نیز وہ ان الفاظ میں دعائیں
کرتے ہیں جن کو شیطانی القار کا نتیجہ کہیں تو بجا ہوگا اور ایسے عملیات کا ورد کرتے ہیں
جن کی وجہ سے شیطان ان کے مطیع ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات ان لوگوں سے اس
قسم کے افعال سرزد ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھ پر ایسے واقعات اور کیفیات ظہور میں
آتی ہیں جن کو ان کے معتقدین خارق عادت ہونے کی وجہ سے ولایت اور کرامت

لہ یعنی جو کام صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کرنا چاہیے تھا وہ دوسروں کی نائش کے لیے کیا جاتا ہے۔
ملکہ خدائے تعالیٰ کی تائید اور اعانت اور اس کی توفیق اور عنایت اس کو ملحوظ نہیں رہتی، بلکہ
وہ اپنی ہی قوت پر نازاں ہوتا ہے اور قارون کی طرح سمجھنے لگتا ہے:-

اِنَّمَا اُوْتِيتُهُ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِي

خیال کرتے ہیں لیکن درحقیقت وہ سحر اور کہانت کی ایک قسم ہے۔ مومنوں کو چاہیے کہ وہ احوال ایمانیہ اور احوال شیطانیہ میں فرق کر لیا کریں۔

عقیدہ اہل توحید | چوتھی جماعت اہل توحید کی ہے جن کا دین خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے۔ وہ اسی کی عبادت کرتے اور اسی کی ذات پاک پر بھروسہ رکھتے ہیں کسی مصیبت زدہ کا یہ قول کہ **لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ** یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ اس کے قائل کے مد نظر ایک ہی قسم کی توحید ہو (مثلاً توحید ربوبیت) لیکن جس پر اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت ہو، وہ دونوں قسم کی توحید کو ملحوظ رکھتا ہے جو مصیبت زدہ اور صاحبِ حاجت شخص **لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ** کہتے ہوئے صرف اس بات کا استحضار کرتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ اور کوئی بھی ضرر کا دفع کرنے والا نہیں، اور نعمتیں بھی وہی نازل فرماتا ہے تو اس کا یہ عقیدہ، توحید ربوبیت پر مبنی ہے۔ سوال، طلب اور توکل کے لحاظ سے بھی وہ موحد ہے لیکن توحید الوہیت کا مقام اس سے بالاتر ہے۔

توحید الوہیت کا مقتضی یہ ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی عبادت نہ کرے اور نیز اس کی عبادت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تعلیم کے موافق اور ان کی اطاعت پر مبنی ہو۔ ایسا شخص اس آیت شریفہ پر عامل ہے،

فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ | اسی کی عبادت کرو اور اسی پر

(ہود: ۱۲۳) | بھروسہ رکھو۔

اور فرمایا:

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ | میرا اسی (خدا کی) ذات پر بھروسہ ہے اور اسی کی طرف مجھے لوٹ کر

جانا ہے۔

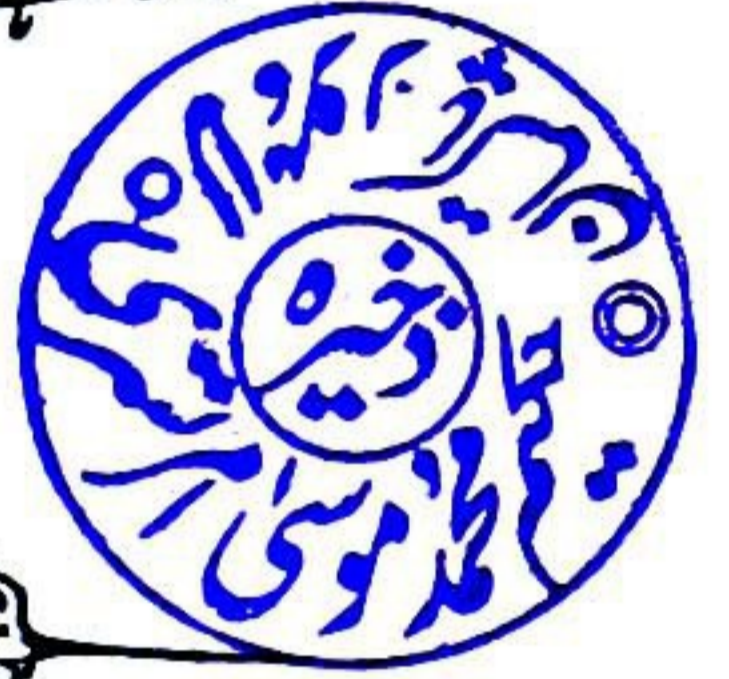
(ہود: ۸۱)

اور فرمایا:

وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ
 تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِلًا ۝
 رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
 لَا اِلَهَ اِلَّا هُوَ فَاَتَّخِذْهُ
 وَكِيْلًا ۝ (مزل: ۹۰، ۸)

اور یاد کرنا اپنے پروردگار اور بھک
 جا اس کی طرف پورا بھکنا، وہی رب
 ہے مشرق اور مغرب کا۔ نہیں ہے
 کوئی معبود اس کے سوا۔ پس اسی
 رب کو اپنا کارساز پکڑ۔

ایسے شخص کا مطلوب اگر کوئی حرام چیز ہے تو اس کے لیے سوال اور طلب کرنے
 کی وجہ سے گناہ ہوگا اچا ہے اس کی حاجت پوری ہو جائے اور اگر وہ کسی مباح چیز کا طلبگار
 ہے تو اس کے لیے ثواب یا عذاب کچھ نہیں لیکن اگر وہ کسی ایسی چیز کو خدائے تعالیٰ سے
 مانگتا ہے جو عبادت میں اس کے لیے معاون ہے تو بے شک ایسے شخص کو اجر ملے گا۔



بند پیغمبر اور بادشاہ پیغمبر

آنحضرت کی ترویج | اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ بندہ پیغمبر اور بادشاہ پیغمبر میں کیا فرق
 ہے؟ وہ حدیث تمہیں یاد ہوگی جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کو اختیار دیا گیا کہ وہ بندہ اور پیغمبر ہو کر رہیں یا بادشاہ پیغمبر کی زندگی بسر کریں چنانچہ اپنے
 بندہ پیغمبر کی زندگی کو ترجیح دی۔

حکم مرسل کی تعمیل و تبلیغ | بندہ پیغمبر کے یہ معنی ہیں کہ اس کے تمام حرکات و سکنات
 اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوتے ہیں۔ وہ کوئی ایسا فعل نہیں کرتا جس کی بابت اللہ
 تعالیٰ کی طرف سے اس کو حکم نہ دیا گیا ہو۔ اس لیے بندہ پیغمبر کا ہر ایک فعل، حرکت اور

سکون عبادت ہے، وہ محض بندہ ہوتا ہے جس کا یہ کام ہوتا ہے کہ اپنے مرسل کے احکام کی تعمیل اور تبلیغ کرے۔

صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول منقول ہے کہ:

انی و اللہ لا اعطى احدا	خدا کی قسم! میں نہ کسی کو کوئی چیز دیتا ہوں
ولا منع احدا و انما انا	اور نہ ہی کسی چیز کا دینار و کتا ہوں۔
قاسم اصنع حيث امرت	بیشک میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں
	جو کچھ مجھے حکم ہوتا ہے اس کی تعمیل کرتا ہوں

آپ کا منع اور عطا | آپ کا یہ قول کہ کسی کو کچھ نہیں دیتا اور نہ ہی کسی چیز کا دینار و کتا ہوں۔ اس بنا پر نہیں کہا گیا کہ قضاء و قدر نے آپ کو مسلوب الاختیار کر رکھا ہے کیونکہ جہاں تک قضاء و قدر کا تعلق ہے اس میں سب برابر ہیں۔ آپ کی کچھ بھی خصوصیت نہیں، بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ شرعاً دینے یا نہ دینے میں میرا کچھ دخل نہیں۔ بالفاظ دیگر میں اسی کو دیتا ہوں جس کے دینے کا مجھے حکم ہوتا ہے اور وہی چیز کسی سے روکتا ہوں جس کے روکنے ہی کا مجھے حکم دیا جاتا ہے، یعنی جس طرح میرے تمام افعال اور حرکات اس کی قضاء و قدر کی صفت تکوین کے ساتھ وابستہ ہیں اسی طرح میرے تمام حرکات و سکنات (دینا اور نہ دینا وغیرہ وغیرہ) اس کے احکام تشریحی کے تحت تنقید ہیں۔ الغرض میں عطا اور منع دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کے احکام کا انتظار کرتا ہوں اور حکم ملنے پر اس کی تنقید کرتا ہوں۔ اموال صدقہ اور اموال عنایت وغیرہ کو اپنی رائے کے موافق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تقسیم کرتا ہوں۔

فقہاء کی غلط توجہیں | اسی سلسلہ میں یہ نکتہ بھی یاد رکھو کہ قرآن کریم میں جہاں مال کی اضافت اور نسبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف کی گئی ہے، اس کا یہ مطلب ہے کہ اس مال کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت میں خرچ کیا جائے

اور جیسے کہ بعض فقہاء کا قول ہے کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ مال کی تکوین اور تخلیق کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا ہے کیونکہ اس لحاظ سے تو ہر ایک مال اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ مال غنیمت کی کیا تخصیص ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ (الأنفال: ۱۱)

اے نبی! فرمادیجئے، مال غنیمت تو اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے۔

اور فرمایا:

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَاللِّسُّوْلِ (الأنفال: ۴۱)

لوگو! تم ایک بات کو بخوبی سمجھ لو کہ جو کچھ مال و دولت غنیمت کے طور پر تم کو حاصل ہو تو بلاشبہ اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا بَرٍ كَابٍ (الحشر: ۵)

اور جو مال نے اللہ نے اپنے رسول کو دلا دیا ہے اس طرح پر کہ تم کو اس پر گھوڑے اور اونٹ و دراکر فوج کشی نہ کرنی پڑی (بلکہ) بلا محنت و مشقت حاصل ہوا ہے۔

اس کے بعد فرمایا:

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَاللِّسُّوْلِ وَ لِذِي الْقُرْبَىٰ (الحشر: ۶)

(بنو نضیر خبیروالوں کی بستی ختم ہوئی) تو اس سے جو مال بغیر لڑائی کے حاصل ہوا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے تاکہ ذی القربیٰ کو دیا جائے

اسی طرح یہ بھی مراد نہیں کہ وہ مال رسول کی ملک ہے جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے۔ جن فقہار کا یہ قول ہے انہوں نے متعدد وجوہ سے غلطی کی ہے۔

۱۔ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اموال غنیمت اور دیگر اموال کے نہ تو اس طرح مالک تھے جس طرح عام لوگ اپنی کسی ملوک چیز کے مالک ہوتے ہیں، اور نہ ہی وہ آپ کو حق تصرف حاصل تھا جو بادشاہوں کو تھا ہی خزانے کا مال صرف کرنے کی بابت حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ عام لوگ اپنے اموال کو اپنی ذاتی اغراض حصول کے لیے خرچ کرتے ہیں اور بادشاہ اور سلاطین اپنی اور اپنے وزراء کی رائے اور صوابدید کے مطابق مصالح ملک و ملت کو ملحوظ رکھ کر اپنے خزانہ کو صرف میں لاتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بندہ پیغمبر ہونے کی وجہ سے اس قسم کا تصرف نہیں کرتے تھے بلکہ عطا اور منع دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل درآمد فرماتے تھے اس لیے آپ کی ہر حرکت اور سکون عبادت تھی۔ بعض فقہار کا خیال ہے کہ رسول اللہ کو خمس میں تصرف کرنے کا حق حاصل تھا، جیسے امام شافعی، امام احمد اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے اقوال میں پایا جاتا ہے لیکن یہ غلط ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مال، میراث کے طور پر ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں کیا جاتا۔ اس حکم میں تمام انبیاء یکساں ہیں، چاہے وہ بادشاہ پیغمبر ہوں یا بندہ پیغمبر اور کوئی نبی یا رسول مال کا مالک نہیں ہوتا جس طرح دوسرے عام لوگ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کا مال میراث کے طور پر تقسیم ہونے سے یہ امر زیادہ واضح ہوتا ہے۔ اب تم خود سوچ لو کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جو بادشاہ پیغمبر نہیں بندہ پیغمبر تھے کس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی مال آپ کی ملک تھا اور اگر آپ بادشاہ پیغمبر ہوتے تو آپ کو

مصلحتِ ملکی میں خرچ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے جیسے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا حال تھا۔ فرمایا:

هَذَا عَطَاءُ نَا فَا مَنُّنٌ اَوْ
اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ چاہو بخش دو یا روک دو۔ یہ بے حساب
(ص: ۱۳۹) | مال و دولت ہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان اور اپنے عیال پر بقدرِ ضرورت خرچ کرتے اور باقی سب مال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے راہِ خدا میں صرف فرماتے تھے اپنے پاس کچھ بھی ذخیرہ نہیں فرماتے تھے لیکن تم جانتے ہو کہ عام مالکوں کی یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں جس قدر مال تھا وہ سب اللہ اور رسول کا مال تھا جس کے یہ معنی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرتے اور اللہ تعالیٰ ہی کے احکام کے موافق اس کی تقسیم فرماتے تھے۔

۴۔ آنحضرتؐ کا اجتہاد اور حکمِ مہرِ مرجح | چوتھے البتہ جن اموال کو وہ اس طرح مستحقین میں تقسیم فرماتے وہ دو قسم کے تھے:

- ۱۔ ایک وہ جن کے مصرف کی بابت آپ کو مصرفِ حکم ملتا۔
- ۲۔ دوسرے وہ جن کا مصرف کرنا آپ کے اجتہاد اور ضوابط پر مفوض کیا جاتا۔ جیسے کہ دوسرے امورِ شرعیہ میں بھی بعض چیزیں یعنی ان کے احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین اور محدود ہوتے ہیں مثلاً ناز پنجگانہ اور سال بھر میں ایک مہینہ کے روزے رکھنا وغیرہ۔ لیکن بعض چیزوں کے متعلق مخصوص وقت اور مخصوص مکان کو ملحوظ رکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد کے بموجب عمل پیرا ہوتے تھے لیکن یاد رہے کہ یہ اجتہاد بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق

اور اس کی طرف سے تلقین پر مبنی ہوتا تھا مثلاً بیوی کا نفقہ شرع کی طرف سے بلحاظ مقدار اور نوعیت کے مقرر نہیں بلکہ اس کی مقدار اور اس کی نوعیت کی تعیین عرف پر چھوڑ دی گئی ہے جو لوگوں کے مختلف طبقات کے مختلف طرز ہا معاشرت کا لحاظ کر کے کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ جمہور فقہاء قول ثانی کے مؤید ہیں اور یہ درست ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندو سے فرمایا تھا:

خُذِي مَا يَكْفِيكَ وَوَلَدِكَ | اس قدر کفایت لے لو جو تمہارے لیے
اور تمہارے بچہ کے لیے کافی ہو (سنو
کے مطابق)

نیز عرف کے دن خطبہ میں فرمایا:

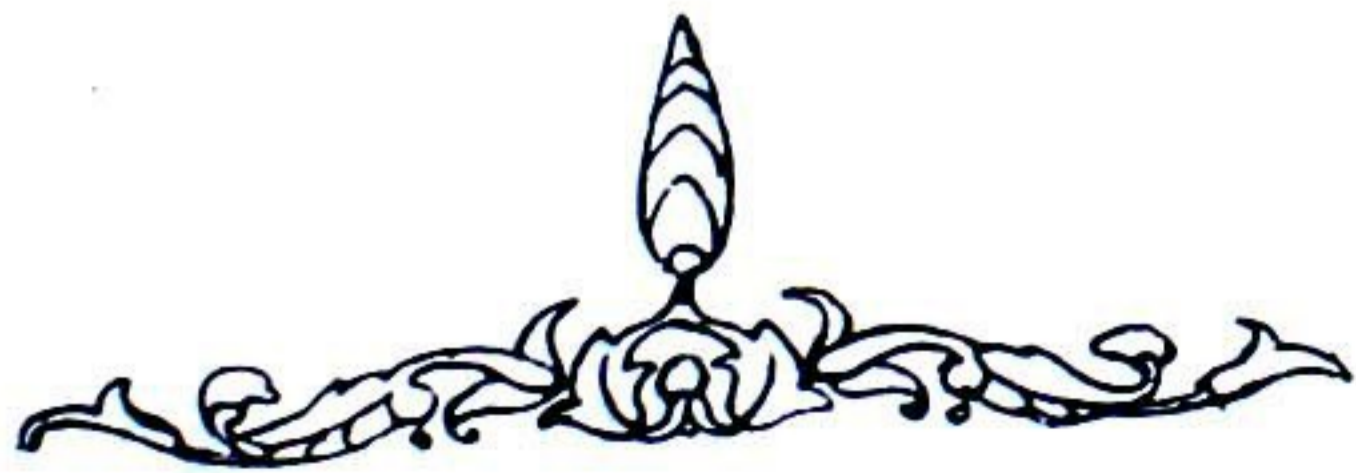
لِلنِّسَاءِ كِسْوَتُهُنَّ وَنَفَقَتُهُنَّ | عورتوں کے لیے کپڑا پہنانا اور انہیں
نان نفقہ و سنو کے مطابق دیا جائے۔

صوابدید رسول اور حکم الہی | الغرض جن امور کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ
علیہ وسلم کی طرف اضافت اور نسبت کی گئی ہے اس کی تقسیم اور اس کا اعطاء و منع
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صوابدید پر منحصر ہے برخلاف اس کے بعض اموال
مستحقین کو خود اللہ تعالیٰ نے معین فرما دیا ہے۔ اور ان کا حصہ بھی معلوم کر دیا ہے جس میں
کمی بیشی کا احتمال نہیں۔ مثلاً مال میراث کی تقسیم۔ اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے جنگِ حنین کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

لَيْسَ لِي مِمَّا آفَاءَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ | جو کچھ تم کو اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت دیا
ہے اس میں میرا کچھ بھی نہیں۔ البتہ
اس کا پانچواں حصہ میرا ہوتا ہے اور
وہ بھی تم پر لوٹا دیا جاتا ہے۔

اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ ۱/۴ حصہ مال غنیمت کا حکم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلوم اور معین ہے کہ وہ ان لوگوں کا حق ہے جو واقعہ میں حاضر تھے، صرف ۱/۴ حصہ ایسا ہے جس کا صرف کرنا میرے اجتہاد اور صوابدید پر رکھا گیا ہے اور یہی وجہ تھی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو اس خمس میں تصرف کرنا خلفائے راشدین کا حق قرار پایا جس کو وہ اپنی صوابدید کے مطابق مستحقین میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ بنی کریم نے جنگ حنین کے موقع پر کچھ مال غنیمت تالیفِ قلوب کے لیے دیا اور فرمایا، یہی خمس اور مال غنیمت کی اصلی تقسیم ہے یہ دراصل مومنین کے دلوں کو خوش کرنے کو فرمایا، اور اسی لیے جب انصار میں سے کسی نے الزام لگایا اور جب الزام رفع ہوا، تو آپ نے لے ہی جواب دیا اور انہیں انعام دینا چاہا۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ مال غنیمت تقسیم سے قبل غازیوں کی ملکیت نہیں ہوتی اور یہ اہم المسلمین کا حق ہے کہ وہ اپنے اجتہاد اور صوابدید سے خرچ کرے۔



دُعائے یونس اور توحید الوہیت

عبادت اور دعا کا مفہوم | یہ ایک طرف للباب بات درمیان میں آگئی تھی۔ دراصل بتانا یہ تھا کہ جو خدائے تعالیٰ کے سچے بندے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے اور اسی سے اعانت طلب کرتے ہیں اور اِیَّاہِیْ نَعْبُدُ وَاِیَّاہِیْ نَسْتَعِیْنُ کے مضمون پر کماحقہ عمل پیرا ہوتے ہیں اور توحید ربوبیت اور توحید الوہیت دونوں ان کے عقیدے اور عمل میں شامل ہوتی ہیں کیونکہ جب دونوں الگ الگ استعمال ہوتی ہیں تو دوسری کے مفہوم کو لیے ہوتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ | کہہ دیجئے اے نبی! میں لوگوں کے
 مَلِکِ النَّاسِ ۝ اِلٰہِ | پروردگار، لوگوں کے بادشاہ اور
 النَّاسِ ۝ (الناس: آیت ۳۱) | لوگوں کے معبود کی پناہ میں آتا ہوں۔

نیز فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ | سب تعریف اللہ ہی کے لیے
 (الفاتحہ: ۱۱) | ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

تقدیم و تاخیر عبادت و استعانت | عبادت دراصل غایت اور مقصود بالذات ہے جس کے لیے مخلوقات کو خدائے پیدا کیا، اور ربوبیت اور اعانت اس کے حصول اور تکمیل کا ذریعہ اور وسیلہ ہے، لیکن عبادت پہلے اس لیے مذکور ہے کہ مومن

آدمی جب اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کہتا ہے تو وہ ابتداءً عبادت کا قصد کرتا ہے اور اپنے قصد اور ارادہ کی ترجمانی اس عبارت سے کرتا ہے کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ لیکن وہ بالیقین جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اعانت کے بغیر اس اہم مقصد میں کامیاب ہونا ناممکن ہے۔ اس لیے فوراً اس کی زبان پر اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ جاری ہوتا ہے اور یہی سبب ہے کہ علت غائی اور علت فاعلی میں ایک معروف و معلوم فرق ہے۔

موزوں ترین اسماء الہی | ساتھ ہی یہ نکتہ بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ عبادت کے ساتھ اللہ کے اسم پاک کو خاص مناسبت ہے کیونکہ اس کی عبادت اس کی صفت الوہیت کا متضمنہ ہے۔ لیکن سوال اور درخواست کے موقع پر رب کا اسم پاک موزوں تر ہے کیونکہ اپنے بندوں کے حوائج پورے کرنا اور اس کی اعانت کرنا اور اس کو توفیق بخشنا اس کی صفت ربوبیت کا ظہور ہے۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور مومنوں کی جتنی دعائیں قرآن کریم میں منقول ہیں۔ وہ سب "ربنا" اور "رب" کے لفظ سے شروع ہوتی ہیں۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء کی دعا،

<p>اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے، اگر تو نے ہمیں نہ بخشتا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم بہت خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے</p>	<p>مَا بَنَّا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف، ۲۳)</p>
---	---

اور حضرت نوح علیہ السلام کی دعا،

<p>اے پروردگار! یقیناً میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس چیز کا سوال کرنے سے</p>	<p>رَبِّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهِ حِلْمٌ</p>
---	--

(ہودہ: ۲۴) | جس کا مجھے علم نہ ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا:

رَبِّ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي | اے پروردگار! میں نے اپنی جان
فَاغْفِرْ لِي (القصاص: ۱۶) | پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے۔
اور: رَبِّ اِنِّي لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَيَّ | اے پروردگار! جو کچھ تو مجھے دیدے،
مِنْ خَيْرٍ فَاقْبَلْ (القصاص: ۲۲) | بیشک میں اس کا محتاج ہوں۔

ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من اللہ العجیل کی دعا:

رَبَّنَا اِنِّي اَسْكَنْتُ مِنْ | اے میرے پروردگار! میں نے اپنی اولاد
ذُرِّيَّتِي بَوَادِ غَيْبِ ذِي نُوَيْحٍ | کو ایسی وادی میں بسا دیا ہے جو غیر آباد
عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا | ہے اور تیرے محترم گھر کے پاس ہے۔
لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ | اے پروردگار! تاکہ میری اولاد نماز
(ابراہیم: ۳۴) | کو قائم کرے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا:

رَبِّ اَغْفِرْ لِي وَصَبِّ لِي | اے پروردگار! مجھے بخش دے اور
مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِاَحَدٍ مِّنْ | مجھے ایسی سلطنت عطا فرما کہ میرے
بَعْدِي اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ | بعد کسی کو اس طرح کی سلطنت نہ
(ص: ۳۵) | ملے بیشک تو بڑا عطا کنندہ ہے۔

ہو ہنوں کی یہ دعائیں ملاحظہ ہوں

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً | اے میرے پروردگار! مجھے دنیا اور
وَفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقَاتِنَا | آخرت کی جہلائی عطا فرما اور عذاب
عَذَابِ النَّارِ (البقرہ: ۱۹۱) | دوزخ سے بچا۔

مَا بَنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ
 إِذْ هَدَيْتَنَا (آل عمران: ۸) | اسے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں

کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر دینا۔

اولی الالباب کی دعاؤں کا اس طرح ذکر کیا ہے

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ فِئْتَنَا بَاطِلًا
 سُبْحَانَكَ فَبِمَا عَذَابِ النَّارِ | اسے ہمارے پروردگار! یہ سب کچھ تو
 نِسْءًا نَسِيًّا | نے دایگیاں پیدا نہیں کیا۔ تیری ذات
 پاک ہے پس ہمیں عذابِ دوزخ سے
 بچالے۔ (آل عمران: ۱۹۱)

وغیرہ وغیرہ بکثرت آیات موجود ہیں جو سب اسی طرح شروع ہوتی ہیں۔

حضرت امام مالکؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ اس کو سخت برا جانتے تھے کہ آدمی اپنی

دعا میں کہے: یا سیدی یا سیدی، یا حنان یا حنان بلکہ وہ فرمایا کرتے تھے

کہ ہمیشہ انہی الفاظ سے دعا کرو جن الفاظ سے اہلبیائرنے دعا کی ہے اور کہو: رَبَّنَا

وَاعِظِي تَخَاطِبِ اللَّهِ | الغرض جب آدمی کے دل میں سوال اور درخواست کا خیال پیدا

ہو تو رب کے لفظ سے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرنا مناسب ہوگا۔ اگرچہ سوال بھی خدا کے

اسم اللہ ہی کے ذریعے کرنا مستحسن ہے۔ کیونکہ لفظ اللہ ذاتی نام ہے جو اسم رب کو

شامل ہے لیکن جب اس کے دل میں عبادت کا خیال ہو تو پھر اللہ کا لفظ استعمال

کرنا زیادہ مناسب اور سوزوں ہے۔ جب خدا کی تعریف کرے تو اللہ ہی کا ذکر کرے

اور جب دعا کا ارادہ کرے تو بھی اللہ ہی کو پکارے۔

اقرارِ گناہ کی تقدیم و تاخیر | یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یونس

علیہ السلام نے پہلے توحید الوہیت کا اعتراف کیا اور بعد ازاں اپنے گناہ کا اعتراف

کیا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔ لیکن آدم علیہ السلام

لے سوال نمبر ۵ کا جواب شروع ہوا۔

کی دعائیں بغیر کسی تہید کے گناہ اور قصور کا اعتراف ہے:

بَرَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

اس میں نکتہ یہ ہے کہ یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو نزولِ عذاب سے ڈرایا تھا اور عذاب کے آثار ظاہر بھی ہو چکے تھے لیکن جب انہوں نے بچے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنا عذاب ہٹا دیا یونس علیہ السلام نے عذاب کو ٹلتا ہوا دیکھ کر یہ خیال کیا کہ اس سے وہ اپنی قوم کی نظروں میں بھوٹے ثابت ہوں گے نہ اس لیے وہ جھنجلائے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کیے بغیر قوم کو چھوڑ کر چل دیے جس کی پاداش میں ان کے مچھلی کے پیٹ میں چلے جانے کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا
تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ
(القلم: ۴۸)

(اے محمد!) اپنے پروردگار کے حکم تک
صبر کر اور مچھلی (کے پیٹ میں جانے)
والے کی مانند نہ ہو جائیو۔

نیز فرمایا،

فَالْتَمَتَهُ الْحُوتُ وَ قَوَّامِلِيْمٌ
(الصفط: ۱۲۲)

پس اسے مچھلی نے نکل لیا اور وہ
سخت شرمندہ اور نادوم ہوا۔

اس سے تم سمجھ گئے ہو گے کہ اس قصور کا باعث خواہش نفس تھی، یعنی وہ نہیں چاہتے تھے کہ جھوٹے ثابت ہوں اور قوم کے سامنے ان کی سبکی ہو جس قوم کی بنا پر خواہش نفسانی کے اتباع پر ہو اس میں ایک گونہ شرک پایا جاتا ہے۔ اس لیے سب

لہ حضرت یونس کو اپنی قوم کے خدائے تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور ایمان لانے کا غالباً علم نہ تھا۔

۱۲۲ ایک حدیث میں ہے ما تحت اديم السماء له يعبد اعظم عنده بقية برمه

سے پہلے (یونسؑ کو) توحید الوہیت کا اعتراف کرنا ضروری تھا۔ اس لیے انہیں لَا
 إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ کہنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا اور خواہشِ نفس کے بت کو پاش پاش
 کر دیا اور هُوَ مَلِكٌ کی ملامت کو اس اعترافِ حقیقت کے پانی سے دھو ڈالا اور
 پھر عرضِ حال بیان کیا۔

برخلاف اس کے آدم علیہ السلام کا قصور ان کی بے احتیاطی تھی، جس کا نتیجہ
 غلط فہمی اور اس کے بعد ارتکابِ جرم ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شیطان نے ان کے
 سامنے قسمیں کھائیں اور اپنی خیر خواہی کا یقین دلایا پچنانچہ آدم علیہ السلام اس کی دشمنی
 کو بھول گئے (یہی بے احتیاطی تھی) اور جو کچھ شیطان کہتا چلا گیا، آپ نے اس کو سچ مان
 لیا اور اس لیے وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ جس بات سے منع کیا گیا ہے اس
 کا سبب یہ نہیں کہ وہ بات اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے۔ شیطان نے ان کو یقین
 دلایا تھا کہ انہوں نے شجرہٴ ممنوعہ کا پھل کھا لیا تو وہ فرشتے بن جائیں گے (جن کا مقام اور
 رتبہ نوعِ انسانی کے مقام سے بالاتر ہے) اس لیے آدم علیہ السلام نے بوجہ خود اپنے لیے
 ترقی مدارج حاصل کرنا چاہا تھا اور یہ فعل ہوائے نفس کے اتباع پر مبنی نہیں تھا۔ لہذا
 توحید الوہیت کے اعتراف کی تجدید چنداں ضروری نہیں تھی۔ ضروری بات یہ تھی کہ اپنی
 کوتاہی کا اعتراف کرتے چنانچہ فوراً بول اسٹے۔ مَا بَنَاظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا.....

خدا کا سچا بندہ اور حقیقی مومن جو حالتِ یونس علیہ السلام کو پیش آئی اور ان سے
 قصور اور گناہ سرزد ہونے کا باعث ہوئی۔ ایسی حالت جس شخص کو بھی پیش آئے اس کے
 دل میں فی الجملہ تقدیرِ ایزدی سجائے، و تعالیٰ کے خلاف کچھ اعتراض سا پیدا ہوتا ہے کہ
 ایسا کیوں ہوا؟ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور حکمت کے متعلق کسی نہ کسی شکل میں شبہات

(بقیہ حاشیہ ۱۲۱) من هو متبع (ترجمہ) آسمان کے نیچے سب بڑا بت جس کی پرستش
 کی جاتی ہے وہ نفس کی خواہش ہے جس کو عربی میں ہوائے نفس کہتے ہیں۔

ظہور میں آتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ آدمی اپنی فاسد رائے اور غلط خواہش
نفس کی اپنے سے نفی کرے اور اس بات کا علم یقین پیدا کرے کہ سچی حکمت اور صحیح
طور پر رحمت اور عدل کا ظہور وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظہور میں آئے۔ انسان
کا علم محدود ہے اور اس کی سچی حکمتوں کا کامل ادراک نہیں کر سکتا اور اس کی رحمت اور
عدل کے دقائق سمجھنے سے آدمی کی سمجھ قاصر ہے۔ خدائے تعالیٰ کا سچا بندہ اور حقیقی مومن
وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام میں اپنی رائے اور اپنی خواہش نفس کو ذرہ بھی دخل نہ
دے۔ کلام پاک میں ہے،

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ
حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَبَ
بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي
أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ
وَ يُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝

(اے محمد!) آپ کے رب کی قسم! وہ
کبھی مومن نہیں ہوں گے، جب تک
وہ آپ کے ہر ایک جھگڑے میں آپ
ہی کو حاکم نہ بنائیں اور پھر جو کچھ بھی
آپ فیصلہ دے دیں اس کے متعلق
ان کے دلوں میں ذرہ بھی تنگی نمایاں نہ
ہو اور وہ اس کو پوری طرح تسلیم کر لیں۔

(النساء: ۶۵)

ایمان اور عاشقانِ رسول | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ابو حاتم رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ،

وَ الَّذِي نَفْسِي بِبَيْدِهِ لَا
يُؤْمِنُ مِنْ أَحَدٍ كُمْرٍ حَتَّىٰ يَكُونَ
صَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جُئْتُ بِهِ

اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری
جان ہے تم میں سے کوئی شخص بھی اپنے
آپ کو مومن خیال نہ کرے جب تک
وہ اپنی خواہش نفس کو میری لائی ہوئی
شرعیات کے تابع نہ کر دے۔

حضرت عمرؓ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

يَا رَسُولَ اللَّهِ وَاللَّهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي | لے رسول خدا! اللہ کی قسم! آپ مجھے
میرے جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔

ان کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

لَا يُؤْتِي مِنْ أَحَدِكُمْ حَقِّي أَوْ كُنْ تَمَّ مِنْ سِوَى شَخْصٍ يَحِبُّنِي | کو مومن خیال نہ کرے جب تک کہ میں
اسے اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں
وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

کلام مجید میں ایک اور مقام پر ذرا زیادہ تفصیل کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے:-

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ
وَأَخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ
وَأَعْيُنُكُمْ وَأَمْوَالٌ مِمَّا
كَسَبْتُمْ فَمَوْجُودًا وَتَبْلَاغًا
تُحْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينًا
تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنْ
اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي
سَبِيلِهِ فَتَرْتَبِصُوا حَتَّى
يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ

کہہ دو اگر تمہارے باپ اور تمہاری عزیز
اولاد اور تمہارے بھائی (جن کو تم اپنا
دست و بازو سمجھتے ہو) اور تمہاری بیویاں
اور تمہارا قبیلہ (جس پر تمہاری طاقت
کا دار و مدار ہے) اور وہ دولت جو تم نے
کمائی اور وہ تجارت جس کے سر و پڑ جانے
کا تمہیں اندیشہ ہے اور اپنی پسندیدہ
جگہیں تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے
رسولؐ (کی اطاعت) اور اللہ تعالیٰ
کی راہ میں لڑائی کرنے سے زیاں
محبوب نہیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف
سے نزولِ عذاب کے منتظر رہو۔

(التوبہ: ۲۴)

اس آیت میں وہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے ایک ایک کر کے گن دی ہیں جو انسان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت میں مزاحم ہوتی ہیں اور بتا دیا گیا کہ اگر ان میں سے کسی ایک چیز کی بھی محبت پر اڑ کر آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام سے بے اعتنائی برتے تو اس کا انجام یقیناً ہلاکت اور عذاب ہے جس کے لیے اسے منتظر رہنا چاہیے۔

محبت الہی کا جذبہ | پس جب ایمان کا مقابلہ اس قدر نازک ہے کہ ایمان اس وقت تک صاف نہیں ہو سکتا جب تک آدمی اپنے کاروبار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حکم اور منصف نہ بنائے اور پھر آپ کے ہر فیصلے پر تسلیم خم نہ کر دے، ہر خواہش رسول اللہ کی آوردہ شریعت کے تابع ہو۔ رسول اللہ کی محبت اور جہاد فی سبیل اللہ کا دلولہ انسان کو اپنی جان کی محبت اور اپنے اہل و عیال کی محبت سے مقدم رکھنا مطلوب و مقصود ہو تو پھر اللہ عز و جل کی محبت اور اس کے حکموں کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا کیا ٹھکانا؟

اظہار کراہیت و ناپسندیدگی | پس جو شخص یہ دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کرے کہ لوگ اس کے خیال میں اللہ کے عذاب کے مستحق ہو رہے ہیں اور اللہ غفور رحیم ہے اور انہیں معاف کر دے گا اور ان پر رحم کرے گا۔ اگرچہ ان کے اعمال ناپسندیدہ ہوں تو یہ بات دُوحال سے خالی نہیں۔ یا وہ ارادۃ احکام الہی کی مخالفت ہوگی یا گمان ہوگا کہ علم الہی کی مخالفت ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔ جب تم بھی اس حقیقت سے آشنا ہو جاؤ گے تو کراہیت و ناپسندیدگی باقی نہ رہے گی۔ یہی ہم کو حکم دیا گیا ہے اور اسی لیے ہم کو پیدا کیا گیا۔ ہم کو یہ ہرگز نہیں حکم دیا گیا کہ ہم اسے مکروہ جانیں اور اس پر غضبناک ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ تو اسے محبوب رکھتا ہے۔ کیونکہ:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ | یَعْنَا اللّٰهُ تَوْبَةَ كَرْنِ وَاوَلُوں اوردِ پاك
وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ○ | رهنے واولوں كو پسند كرتا هے۔

پس اس قسم کی کراہیت الوہیت الہی کی کراہیت ہوگی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ایسا شخص توحید الوہیت کی تجدید کرے اور لا الہ الا انت کے ذریعے اپنے عقیدہ باطلہ کو محو کر لے، ہاں کفر و فسق، عصیان و طغیان کی کراہیت سے ہمیں نہیں منع کیا گیا۔
العرض ہم پر فرض ہے کہ ہم اپنی پسندیدگی اور عدم پسندیدگی کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور سخط کے تابع بنائیں۔ جس بات کو وہ پسند کرتا ہے اس کو ہم بھی پسند کریں اور جو بات اس کو ناپسند ہے اس کو ہم بھی مسرورہ اور ناپسند سمجھیں اور اس کے امر اور نہی کا اتباع کریں اور اپنی رائے سے کسی چیز کو پسندیدہ یا ناپسندیدہ نہ خیال کریں۔



عصمتِ نبیاء علیہم السلام

مقصدِ تبلیغ رسالت | یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے متعلق مذہبِ سلف کی تحقیق کی جائے۔ تبلیغ رسالت اور احکام کو پہنچانے میں احسن کے پہنچانے کے لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں، بلا کم و کاست پہنچا دیتے ہیں اور کبھی کوتاہی اور غلطی نہیں کرتے۔ علماء امت محمدیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اس بارے میں وہ بالکل محصوم ہیں اور اسی لیے فرود ی ہنے کہ جو کچھ ان کے ذریعے پہنچا ہے اسے تسلیم کرنے اور ماننے میں کوتاہی نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُنزِلَ مِنَ السَّمَاءِ لِقَوْمِهِمْ	(اے نبی) کہ دو ایمان لائے ہم اللہ پر اور اس چیز پر جو ہماری طرف نازل ہوئی اور جو حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد علیہم السلام پر نازل ہوئی اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔ ہم کسی
---	---

نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ
وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ○
فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ
بِهِ فَقَدْ آتَوْا مَا
تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي
شِقَايَ نَسِيكَفِيكُمْ
اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ
(البقرہ: ۱۳۴، ۱۳۵)

نبی میں فرق نہیں جانتے، بلکہ سب
کو تسلیم کرتے ہیں پس (اے نبی) اگر
وہ لوگ تمہاری طرح ایمان لے آئیں
تو بے شک ہدایت یاب ہو گئے اور
اگر اعراض کریں تو سمجھ لو کہ وہ شقی ہیں
پس تمہارے لیے اللہ کافی کارساز
ہے اور وہ سننے والا جاننے والا
ہے۔

اور فرمایا،

وَ لَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ
الْمَلَائِكَةِ وَ الْكُتُبِ وَ
النَّبِيِّينَ (البقرہ: ۱۷۷)

اور لیکن نجات اس کے لیے ہے
جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا اور آخرت
پر اور اس کی کتابوں پر اور نبیوں کو
تسلیم کر لیا۔

اور فرمایا،

أَمَّنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ
إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ
كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَ مَلَائِكَتِهِ
وَ كُتُبِهِ وَ مِنْ رَسُولِهِ
بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رَسُولِهِ وَ
قَالُوا سَمِعْنَا وَ أَطَعْنَا
غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ إِلَيْنَا

رسول تو اس پر ایمان لے آیا جو اس
کے رب کی طرف سے اس پر نازل
ہوا اور مومن بھی ایمان لے آئے۔
سب نے اللہ اور اس کے فرشتوں
اس کی کتابوں اور اس کے نبیوں
کو مان لیا، ہم نے تو کسی نبی میں
فرق نہیں ڈالا اور وہ یہ کہتے ہیں

الْمَصِيرُ (البقرہ: ۲۸۵) | کہ ہم نے سن لیا اور قبول کر لیا اے
پروردگار تیری طرف ہی ہم نے
لوٹنا ہے۔

برخلاف اس کے نبیوں کے بغیر کوئی شخص معصوم نہیں، اگرچہ وہ اولیاء اللہ
ہی ہیں سے کیوں نہ ہو۔ اسی بنا پر جملہ فقہاء کے نزدیک نبی کو گالی دینے والے
کا قتل کر دینا واجب ہے اور غیر نبی کو گالی دینے والا ہرگز قتل نہ کیا جائے۔ جیسا
کہ ارشاد ہے:

مَنْ سَبَّ نَبِيًّا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ
قُتِلَ وَ مَنْ سَبَّ غَيْرَهُمْ
لَمْ يُقْتَلْ
جس نے نبیوں میں سے کسی نبی کو
گالی دی وہ قتل کیا جائے گا اور جس
نے نبیوں کے سوا کسی کو گالی دی
وہ قتل نہ کیا جائے گا۔

انبیاء علیہم السلام اور حفاظت الہی اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو معصوم اور محفوظ رکھنے
کا خود ذمہ اٹھایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ
عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ
أَرَادَ نَحْنُ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ
يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ
مِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا لِيُعَلِّمَ
أَنْ قَدْ أبلغُوا مَا سَلَّتِ
مَاءِ بَهُمْ
وہی غیب کی باتیں جانتا ہے اور
اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا
البتہ لوگوں کو ایسی باتوں سے مطلع
کرنے کے لیے، وہ کسی کو اپنا
رسول چن لیتا ہے اور پھر اس کے
آگے پیچھے (فرشتوں کا پہرہ لگا
دیتا ہے جب تک کہ وہ جان

غیب کا لفظ اپنے وسیع تر معنوں میں استعمال ہوا ہے جنت اور دوزخ (بقیہ برصغیر)

لے کہ رسولوں نے خدائے تعالیٰ کے پیغام (م محفوظ طور پر بلا کم و کاست پہنچا دیے۔

(الحجن: ۲۸)

اس قسم کی عصمت انبیاء علیہم السلام کے لیے ضروری ہے اور اسی کی بدولت نبوت اور رسالت کا مقصود حاصل ہوتا ہے۔ نبی کا لفظ نبأ سے مشتق ہے اور اس کا مطلب ہے "اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں دینے والا"۔ اسی طرح رسالت کے معنی "پیغام" کے ہیں اور رسول بمعنی اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچانے والا اس لیے یہ لازم ہے کہ ہر ایک نبی اور ہر ایک رسول تبلیغ و ترسیل احکام الہی میں معصوم ہو۔ بصورت دیگر اللہ تعالیٰ کا پیغام ناقص ہو گا جو ناممکن ہے تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے۔

اختلاف علماء اور القار شیطانی | البتہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا نبی اور

رسول کی زبان پر تلاوت کی اثناء میں کوئی ایسا کلمہ جاری ہو سکتا ہے جو شیطان کا القار ہو اور جس کو بعد میں بذریعہ وحی باطل مٹھرایا جائے، اس کے متعلق دو قول ہیں۔ ایک تو اس کا جواب اثبات میں دیتے ہیں اور سلف کا بھی یہی مذہب ہے۔ قرآن و حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ کلام مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ
مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا
إِذَا تَمَنَّى الشَّيْطَانُ فِي
أُمْنِيَّتِهِ فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي

اسے نبی، ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا رسول یا نبی نہیں بھیجا جس کو یہ مرحلہ پیش نہ آیا ہو کہ جو نبی انہوں نے کوئی آرزو کی تو شیطان نے اس

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۹) کا حال بتانا اور اعمال میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی یا عدم خوشنودی کا پتا دینا سب اس کے مفہوم میں داخل ہے۔

لئے تاکہ اس کی تبلیغ شیطان اور قوت داہمہ وغیرہ کے تصرف سے بالکل محفوظ رہے۔

الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ
 آيَتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ
 لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ
 فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ
 مَّرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ
 وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي
 شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝ وَلِيَعْلَمَ
 الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ
 الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا
 بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ
 وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا
 إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

کی آرزو میں کوئی نہ کوئی فتنہ ڈال دیا
 جس کے بعد اللہ نے شیطان کی
 وسوسہ اندازی کو مٹا دیا اور اپنی نشانیوں
 کو مضبوط کر دیا اور اللہ تعالیٰ جاننے والا
 اور حکمت والا ہے۔ اس میں یہ مصلحت
 رہی ہے کہ شیطان کی وسوسہ اندازی
 ان لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ ہو جائے
 جن کے دل ردگی اور سخت ہو گئے ہیں
 بلاشبہ یہ ظالم بڑی ہی گہری مخالفت میں
 پڑے ہیں۔ نیز یہ مصلحت بھی تھی کہ علم
 والے اس بات کو جان لیں کہ یہ سیرے
 پروردگار کی طرف سے ہے، اس طرح
 یہ ایمان لے آئیں اور ان کے دل
 میں عجز و نیاز پیدا ہو جائے یقیناً
 اللہ ایمان والوں کو کامرانی کی سیدھی
 راہ چلانے والا ہے۔

(الحج: ۵۲، ۵۳)

اہل حدیث کا عقیدہ | ان آیات کے شان نزول میں یہاں جو قصہ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کے سورہ بجم کو تلاوت کرنے اور اثنائے تلاوت میں شیطان کے
 بعض الفاظ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری کر دینے کا منقول ہے
 وہ ایک معروف روایت ہے اور کتب تفسیر و حدیث میں اس کو تسلیم کیا گیا ہے۔ یقیناً
 آیت میں بھی اس بات کا اندازہ موجود ہے کیونکہ شیطانی القار کو مٹانا اور آیتوں کو قائم

رکھنا ہی یہ ظاہر کر رہا ہے کہ آیات البیہ کے نزول کے دوران فی الواقع کوئی ایسا اختلاط پیش آیا ہے اور آنا ممکن ہے جس کے رفع کرنے اور حق و باطل میں تمیز کر دینے کو نسخ اور احکام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اہل حدیث علماء کا یہی قول ہے۔

لیکن جو لوگ متاخرین میں سے اس کے خلاف ہیں۔ وہ پہلے گروہ پر یہ طعن کرتے ہیں اور انکار کرتے ہیں کہ سورہ نجم میں یہ الفاظ داخل کیے جائیں:

تلك الغد انيق العلى و | یہ بزرگ ہستیاں بند مرتبہ ہیں (لا

ان شفاعتها لتجى | اور عزائے وغیرہ بت اودان کی

شفاعت کی بھی امید کی جاتی ہے۔

کیونکہ یہ الفاظ ہرگز ثابت نہیں ہیں اور جس نے ثابت جانا اس نے تسلیم کیا کہ القار شیطانی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر ایسے الفاظ ہرگز جاری نہیں ہو سکتے اور اپنی تائید میں یہ آیت قرآنی پیش کی:

إِلَّا إِذَا تَسَنَّى أَلْفَى الشَّيْطَانُ | تمام رسولوں کو یہ مرحلہ پیش آیا کہ ان

فِي أُمْنِيَّتِهِ | کی آرزوؤں میں شیطان نے فتنہ

ڈال دیا۔

(الحج، ۵۲)

صداقت نبوت کی مستحکم دلیل | فریق مخالف نے جو اعتراض اس القار پر کیے

ہیں، وہ بعینہ مسئلہ نسخ پر وارد ہوتے ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ اس قسم کا نسخ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صادق فی الرسالہ ہونے کی ایک زبردست دلیل ہے اور یہ کہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے، کیونکہ کسی ایک بات کا حکم دے کر جب وہ بعد میں اس کو منسوخ بتاتے ہیں تو اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ وہ مامور بندے ہیں اور جو کچھ حکم ملتا ہوا اسی کی تبلیغ فرماتے ہیں۔

حضرت عائشہ کا قول | صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے

کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا ایک حرف بھی چھپانا چاہتے تو سب سے پہلے اس آیت کی تبلیغ میں کوتاہی فرماتے:

<p>اور تم اپنے دل میں ایک ایسی بات چھپانا چاہتے تھے جس کو اللہ تعالیٰ طشت ازبام کرنے والا تھا اور اس کے اطہار میں تم لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ خدا سے ڈرنا زیادہ</p>	<p>وَ تَخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَ تَعْتَشِي النَّاسَ وَ اللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ</p>
--	--

ضروری ہے۔

(الاعزاب: ۳۷)

سچے اور جھوٹے کی پہچان یہ ایک حقیقت ہے کہ جو شخص جھوٹا ہو اور اپنی نمود کا خواہاں ہو وہ ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ آج ایک بات کہہ کر کل اس کی تردید کرے بلکہ جو کچھ اس کے منہ سے نکل جائے وہ اس کی تائید اور اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے میں اپنی پوری کوشش صرف کرتا ہے۔ برخلاف اس کے جو سچا نبی اور سچا رسول ہے وہ اپنی خواہش نفس کا تابع نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا تابع فرمان ہوتا ہے اور جو کچھ اس کو حکم ملتا ہے وہی لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ قطع نظر اس سے لوگوں کو اس پر اعتراض کرنے کا موقع ملے یا لوگ اس نسخہ کو اس کے تناقص پر محمول کریں جس میں اس کی صفت متصور ہو۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ایک بات کو بغیر خفت و سوس کیے صاف صاف بیان کر دینا اس بات کی محکم دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حکموں کو ثابت کر دیا اور جو القاب شیطانی تھا اسے باطل قرار دیا ہے اور یہ آپ کی صداقت کی بین دلیل ہے اور جھوٹا نبی ہونے سے بریت ہے اور یہی رسالت کی غرض و غایت ہے۔ آپ صادق الصدوق ہیں اور آپ کی رسالت کو جھٹلانا اسی لیے مزیح کفر ہے۔

انبیاء اور تبلیغ رسالت کے علاوہ کام

جمہور علماء کا قول | لیکن جن باتوں کا تعلق تبلیغ رسالت سے نہیں ہے۔ ان میں انبیاء علیہم السلام کی عصمت از روئے عقل ثابت ہے یا خلاف قیاس؟ پھر یہ بھگڑا ہر کہ کبار سے معصوم ہیں یا صغار سے؟ کفر سے پاک ہیں یا قبل از بعثت سے؟ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جمہور علماء کا صحیح تر قول وہ ہے جس کی بنا پر سلف کے اقوال منقولہ پر یہ بات صادق آتی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے (ان کے رتبہ کے موافق) گناہ صادر ہو جاتے ہیں لیکن وہ ان پر مُصَرَّح نہیں رہتے۔

استدلال معصومیت مطلقہ | بعض علماء جو ان کو معصوم مطلق سمجھتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی اقتدار یعنی ان کے افعال کی پیروی کرنا امت پر لازم ہے اس لیے اگر ان سے گناہ کا صادر ہونا ممکن ہو تو اقتدار میں خلل آتا ہے۔ پس نبی معصوم ہوتا ہے اس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہیں ہوتا۔

لیکن یہ بھی ایک مسئلہ امر ہے کہ ان کا اقتدار ان افعال میں کیا جاتا ہے جن پر وہ قائم رہے اور جن سے انہوں نے رجوع نہیں کیا، چنانچہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے امر اور نہی کا اتباع کرنا بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ امر اور نہی بعد میں منسوخ نہ ہو گئی ہو۔

منافی کمال اور فضیلتِ توبہ | مطلق عصمت کے قائلین کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ گناہ کا صادر ہونا کمال کے منافی ہے اور ان کا یہ ازسکابِ ذنوب لوگوں کے لیے نفرت

لہ اور یہ مانا گیا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نبی نوع انسان کے کامل ترین افراد ہیں۔

کا موجب ہوگا۔ اور اس لیے رسالت کا مقصود کا حقہ پورا نہیں ہوگا لیکن یہ دلائل بھی اس حالت میں مؤثر ہو سکتے ہیں جب کہ یہ کہا جائے کہ وہ گناہ پر مُصَرِّر رہتے ہیں لیکن اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اب جیسا کہ ہم نے ابھی جمہور علماء کا قول نقل کیا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ گناہ ان سے صادر ہوتے ہیں لیکن وہ ان پر مُصَرِّر نہیں ہوتے۔ فوراً تائب ہو کر خدا کے حضور طالبِ معافی ہوتے ہیں۔

اور تم جانتے ہو کہ وہ سچی توبہ جس کو بارگاہِ کبریٰ میں شرفِ قبولیت حاصل ہو جائے اس کے بعد انسان اپنی قبل از توبہ حالت کے مقابلے میں بلند تر درجہ پر فائز ہوتا ہے چنانچہ بعض سلف سے منقول ہے کہ توبہ کے بعد داؤد علیہ السلام قبل از توبہ والے داؤد سے افضل تھے۔ کلامِ مجید میں ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ | بَشِيكَ اللَّهُ تَعَالَى تَوْبَةَ كَرْنِ دَالُونَ أُو
وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ○ | پاكيزه رهنے دالون كو دوست ركھتا هے

(البقرہ: ۲۲۲)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

إِلَّا مَنْ تَابَ وَ آمَنَ وَ | لیکن جس شخص نے توبہ کی اور ایمان لاکر
عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ | نیک اعمال کیے ان لوگوں کی برائیوں
يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ | کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں تبدیل کرے
حَسَنَاتٍ الْفِرْقَانِ: ۴۰ | گا۔

صحیح حدیث میں بیان ہے کہ قیامت کے دن ایک آدمی کے صغائرِ خدا کے سائے پیش کیے جائیں گے اور اس کے کبائر چھپا دیے جائیں گے کیونکہ وہ کبائر کو ظاہر کرنے سے بچتا تھا، پس اللہ سبباً فرمائیں گے، میں نے تیرے گناہ معاف کر دیے اور تیرے ہر ایک گناہ کو نیکی میں بدل ڈالا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اس کی معافی کی حالت پہلی حالت سے یقیناً بہتر ہوگی۔

مرض خود بینی کی سزا | سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے سلف صالحین کا قول ہے کہ،

إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ الْحَسَنَةَ | بعض اوقات انسان نیکی کرتا ہے اور
فَيَدْخُلُ بِهَا النَّارَ وَإِنَّ | دوزخ میں جاتا ہے اور کبھی برائی
الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ السَّيِّئَةَ | کرتا ہے تو جنت میں داخل ہوتا
فَيَدْخُلُ بِهَا الْجَنَّةَ | ہے۔

پھر انہوں نے اپنے اس قول کی تشریح اس طرح پر کی کہ آدمی نیکی کر کے اس پر نازاں ہوتا ہے اور خود بین بن جاتا ہے۔ اس کا انجام دوزخ ہے، برخلاف اس کے برائی کر کے آدمی کے دل میں خدائے تعالیٰ کا خوف پیدا ہوتا ہے، وہ اس کی طرف رجوع کرتا اور تائب ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرماتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ | اور منظور کر لیا انسان نے اس (بارِ امانت)
ظَلُمًا مَا جُئُوا لَآئِيْعَذَابٍ | کو، بیشک وہ ظالم اور جاہل ہے۔ عذاب

لے صحیح حدیثوں سے صرف بحرف اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ بخلاف ان کے بنی اسرائیل کے ایک بڑے عابد نے ایک خطا کار کے متعلق یہ کہا کہ خدا کی قسم! یہ نہیں بخشتا جائے گا تو اس خود بینی سے اس کی تمام نیکیاں برباد ہو گئیں اور وہ دوزخ میں مٹھونس دیا گیا۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے ایک دوسرے شخص کا قصہ ہے کہ اس نے اپنی تمام عمر میں ایک بھی نیکی نہیں کی تھی لیکن مرتے وقت اس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوا اور اس نے اپنی لعش کو جلا دینے اور اس کے بعد اس کی خاک کو ہوا میں اڑانے کی وصیت کی جس پر خدائے تعالیٰ نے اس کو بخش کر جنت میں داخل کر دیا۔ یہ دونوں قصے صحیحین میں مذکور ہیں اور سعید بن جبیر کے قول میں جس اصول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے لیے بمنزلہ شاہد عدل کے ہیں۔ (مترجم)

اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ
وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ
وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ
غَفُورٌ رَحِيمٌ ○
(الاحزاب: ۷۳)

میں مبتلا کرے گا اللہ منافق مردوں اور
منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور
مشرک عورتوں کو اور پھر آئے گا اللہ تعالیٰ
مومن مردوں اور مومن عورتوں کی طرف
اور اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا
ہے۔

الغرض قرآن، حدیث اور دیگر کتبِ سماویہ تمام اس قول کی موید ہیں اور کسی تاویل
کی گنجائش نہیں۔

انحراف مسلمہ اصول اور فتان ایمان

انبیاء کا قصور اور دورانِ کار تاویل میں | پھر اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں متعدد آیتوں میں
حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو **وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْبِكَ** کہہ کر مخاطب فرمایا ہے اور
قرآن اور حدیث میں اس بات کی تصریحات موجود ہیں کہ پیغمبروں سے گناہ اور قصور
سرزد ہوا جس پر وہ نادم ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے مغفرت طلب کی،
یہ ایک مسلمہ اصول ہے لیکن ایک دوسرا فریق ان نصوص کی ایسی ہی دورانِ کار تاویل میں
کتا ہٹے جو ان قراصلہ اور جہمیہ اور باطنیہ کی تاویلات کے مشابہ ہوتی ہیں، جنہوں نے
اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنہ اور صفاتِ علیا کے حقائق کی ایسی ہی تاویل میں کر کے انکار کیا ہے

لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے علوم تربیت کے لحاظ سے یہ گناہ اور قصور تھا مگر حسنات الابرار اور
"سینات المقربین" کے ذریعے اصول کو ہرگز نہ بھولنا چاہیے۔

یہ لوگ بزعم خود انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کرنا چاہتے ہیں، جس میں اپنی رائے کو استعمال کر کے دانستہ یا نادانستہ ان کی تکذیب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

حصولِ سعادت کا حکمی نسخہ | علاوہ ازیں وہ لوگ جس قسم کی عصمت کا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے دعویٰ کرتے ہیں، اگر وہ ثابت بھی ہو تو اس سے ان کی اپنی ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، اور نہ ہی ان کو اس عصمت کے ثابت کرنے کی کچھ زیاں ضرورت ہے کیونکہ ان کا تعلق خود ان کی ذات سے نہیں اور نہ ہی اس کی بابت کوئی خاص حکم موجود ہے۔ قیامت کے دن انسان سے اس کے اپنے اعمال کے متعلق پوچھا جائے گا جیسا کہ فرمایا:

وَلْتَسْأَلَنَّ عَمَّا كُنْتُمْ
تَعْمَلُونَ ○
(النحل: ۹۳)

بیشک تم قیامت کے دن ضرور ان
اعمال کے متعلق پوچھے جاؤ گے جو تم
کیا کرتے تھے۔

یہ لوگ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذات کے متعلق اکثر بغیر کسی دلیل شرعی کے سخنیں کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جو ان کا اصلی فرض ہے یعنی انبیاء علیہم السلام پر سچے دل سے ایمان لانا اور ان کی تعظیم پر عمل پیرا ہونا جو حصولِ سعادت کا حکمی اور تیرہ ہدف نسخہ ہے، اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ کلامِ مجید میں ہے:

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا
الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَمَا
عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا
حُمِّلْتُمْ وَإِن تُطِيعُوا
تَهْتَدُوا وَإِن مَّا عَلَى الرَّسُولِ
إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ○

کہہ دو اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے
رسول کا حکم مانو۔ لیکن اگر تم نے روگردانی
کی تو سمجھ لو کہ بیشک پیغمبر پر اپنی ذمہ داری
ہے اور تم پر تمہاری ذمہ داری۔ ہاں
اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو سیدھا
راستہ پاؤ گے۔ رسول پر تو یہی ذمہ داری

ہے کہ وہ کھلے طور پر اللہ تعالیٰ کا پیغام

تم کو پہنچا دے۔

النور: ۵۴

قصور انبیاء اور توبہ | الغرض قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر کے گناہ اور قصور کا ذکر فرمایا ہے، ساتھ ہی اس کی توبہ و استغفار کا بھی ذکر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ دعا مشہور ہی ہے کہ:

مَا بَنَا ظَلَمْنَا انْفُسَنَا وَاِنْ
لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا
لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ
(الاعراف: ۲۳)

حضرت نوح علیہ السلام کا یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد کہ انہوں نے اپنے کافر بیٹے کی نجات کے لیے سوال کیا، جو ایک غلطی تھی، ان کی یہ دعا نقل کی گئی ہے:

مَا بَإِنِّي اَعُوذُ بِكَ اَنْ
اَسْءَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ
وَ اِنْ لَا تَغْفِرْ لِيْ وَ تَرْحَمْنِيْ
اَكُنُّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ
(ہود: ۴۷)

ایسی بات کا سوال کیا جس کا مجھے کچھ بھی علم نہیں اور اب اگر تو مجھے نہ بخشے گا اور مجھ پر رحم نہ فرمائے گا تو میں یاں کاروں میں سے ہو جاؤں گا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی یہ دعا ملاحظہ ہو:

مَا بَنَا اَغْفِرْ لِيْ وَاِلٰهِيْ
وَاللَّمُوْا مِّنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ
الْحِسَابُ
(ابراہیم: ۴۱)

پروردگار! جس دن حساب کتاب ہو، مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے اور مومنین کی بھی مغفرت فرما

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منقول ہے:

اَنْتَ وَ لِيُنَا فَا غُفِرَ لَنَا وَ
 اَمْ رَحْمَنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ
 وَ اَكْتُبْ لَنَا فِيْ هَذِهِ الدُّنْيَا
 حَسَنَةً وَ فِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا
 هُدُنَا اِلَيْكَ
 الاعراف : ۱۵۶-۱۵۵

خدا یا! تو ہمارا کار ساز ہے، تو ہمیں بخش
 دے اور ہم پر رحم فرما اور تو ہی سب
 بخشنے والوں سے افضل ہے۔ اور
 اس دنیا میں ہمارے لیے نیکی مقرر
 کر دے اور آخرت میں ہمیں اپنی
 طرف ہدایت یاب فرما۔

پھر فرمایا:

مَا بَ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِيْ
 فَا غْفِرْ لِيْ (القصص : ۱۶)

پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم
 کیا تو مجھے بخش دے۔

کوہ طور پر تجلی الہی کی تاب نہ لاسکے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب ہوش
 میں آئے تو عرض کی:

سُبْحٰنَكَ تَبَّتْ اِلَيْكَ وَ
 اَنَا اَنَالُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○
 (الاعراف : ۱۲۳)

خدا یا! تیرے ہی لیے ہر طرح کی
 تقدیس ہے۔ میں تیرے حضور توبہ
 کرتا ہوں اور میں یقین رکھنے والوں
 میں سے پہلا شخص ہوں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں ہے:

فَاَسْتَخْفَرَ رَبَّهُ وَ خَرَّ
 سَاجِدًا اَنَابَ ○ فَغَفَرَ نَا
 لَهُ ذٰلِكَ وَ اِنَّ لَهُ عِنْدَنَا
 لَزُلْفٰی وَ حُسْنَ مَّآبٍ ○

اس نے اپنے پروردگار سے مغفرت
 طلب کی اور جھک کر رکوع کیا۔ اس
 کے بعد خدا نے تعالیٰ کی طرف رجوع
 کیا، پس ہم نے اسے بخش دیا اور ہمارے
 نزدیک اس کے تقرب کی جگہ ہے

(ص: ۲۲۲) | اور بہتر جلتے پناہ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی خطا کا ذکر کرنے کے بعد آپ کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

مَرَبِّ اِغْفِرْ لِي وَ هَبْ لِي	اسے میرے پروردگار مجھے بخش دے
مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِاِحَدٍ مِّنْ	اور مجھ کو ایک ایسی سلطنت عطا
بَعْدِي اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ	فرما جو میرے بعد کسی دوسرے کے
	لیے سزا دار نہ ہو۔ بے شک تو ہی
	بڑا عطا کرنے والا ہے۔

(ص: ۱۳۵)

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا تمہارے سامنے ہے کہ:

لَا اِلَهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ	تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری
اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ	فات پاک ہے، مقدس ہے اور
	بے شک میں ظالموں میں سے ہوں

(الانبیاء: ۸۷)



حضرت یوسف علیہ السلام

لَهَمَّتْ بِهِ وَ هَمَّ بِهَا | البتہ حضرت یوسف علیہ السلام سے کسی قسم کی برائی اور
بے حیائی صادر نہیں ہوئی۔ رہا یہ کہ اس سے پہلے آیا ہے۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَ هَمَّ
بِهَا لَوْلَا اَنْ تَا بُوْهُ هَا
نَا بِهٖ

بیشک اس عورت نے یوسف کو
قابو میں لانے کا قصد کیا اور اس نے
بھی قصد کیا ہی تو تھا اگر وہ رب کی طرف
سے ایک روشن دلیل نہ دیکھ لیتا۔

(یوسف : ۲۴)

حضرت امام احمد بن حنبل کا قول | امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ:

” اَلْهَمُّ هَمٌّ هَمَّ خَطَرَاتٌ وَ هَمَّ اِضْرَارٌ

یعنی قصد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی بات خطرہ کے طور پر دل

میں گزر جائے۔ دوسرے یہ کہ کسی فعل کے کرنے کا ارادہ کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے کہ:

ان العبد اذا هم بسیئة | جب آدمی کسی برائی کا صرف قصد

لم یکتب علیہ و اذا ترکها | کرتا ہے تو وہ لکھی نہیں جاتی (جب

اللہ کتبت له حسنة وان | تک اس کا از کتاب نہ کرے) اور اگر

عملها کتبت له سیئة وان | اس کا عمل میں لانا خالص اللہ کے

<p>یہ ترک کر دے تو اس کے لیے نیکی لکھی جاتی ہے، اگر برائی کا ارتکاب ہو جائے تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے (نیکی کی طرح دس گنا نہیں لکھی جاتی) اور اگر اس قصد کو عمل میں نہ لائے اور برائی کا ارتکاب نہ کرے لیکن اس کا یہ ترک کرنا اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نہ ہو تو نیکی یا برائی کچھ بھی نہیں لکھی جاتی۔</p>	<p>وان ترکها من غیر ان ترکها لله لم تکتب له حسنة ولا تکتب علیه سیئة</p>
--	---

قصد اور ترکِ یوسفؑ | حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک قصد کیا لیکن اس کا عمل میں لانا خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ترک کر دیا۔ اس خلوص کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آپ کو برائی اور بے حیائی سے محفوظ رکھا۔ جیسا کہ آیت مذکورہ بالا میں اس کی تشریح ہے۔ حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کے دل میں بمقتضائے بشریت گناہ کرنے کا خیال سا پیدا ہوا، اس نے اس خیال کو رد کیا اور خالص اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے آپ کو برائی کے ارتکاب سے روکا۔ اس لیے ان کا یہ رک جانا ایک نیکی ہے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا صحیح حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

ایک غلط روایت | لیکن بعض روایات میں جو یہ منقول ہے کہ:

<p>حضرت یوسفؑ نے سر اوپر کا بند کھولا اور فعل بد کے ارتکاب کی نیت سے بیٹھ گئے۔ اس حالت میں آپ کو حضرت یعقوبؑ کی صورت نظر آئی</p>	<p>انه حل سلا ویله وجلس مجلس الرجل من المرأة وانه رأى صورة یعقوب عاضاً علی یدیه وامثال</p>
--	--

ذالک | جو اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹ
رہے تھے یا ایسی اور روایتیں۔

اس قسم کی خرافات کا قرآن اور حدیث میں کچھ ذکر نہیں اور نہ ہی اللہ اور اس کے
رسولؐ نے ایسی باتوں کی خبر دی ہے۔ یہ سب روایتیں یہودیوں سے لی گئی ہیں جو انبیاء
علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حق میں سب سے زیادہ جھوٹ بولتے ہیں اور ایسی باتیں
لکھ جاتے ہیں جو سراسر ان کی شان اور علوم مرتبت کے منافی ہوتی ہیں۔

مفسرین کی غلطی | پس اس قسم کا یہ قول بھی ہے جو مسلمانوں نے اہل یہود سے نقل
کیا ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں ایک حرف بھی نہیں آیا کہ
مندرجہ ذیل یہ قول حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے:

وَمَا أُبْرِيءُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا
رَحِمَ رَبِّي

(یوسف: ۵۰)

یہ قول حضرت یوسف علیہ السلام کا ہرگز نہیں، جیسے کہ عام طور پر سمجھا گیا ہے۔ بلکہ یہ عزیز
کی بیوی کا مقولہ ہے۔ اور جس شخص نے اس آیت کے سیاق و سباق پر غور کیا، اس کو اس
میں ذرہ بھی شک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں وہاں حضرت یوسف
علیہ السلام موجود ہی نہ تھے بلکہ وہ تید خانے میں تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ

فَلَمَّا جَاءَهُ السُّؤْلُ قَالَ

اُرْجِعْ اِلَىٰ مَرْبِّكَ فَاَسْأَلُهُ

مَا بِالْاُنثَىٰ الَّتِي

قَطَّعَتْ اَيْدِيَهَا

مَرْبِي بِكَيْدٍ مِّنْ عَالِمِيْنَ

بادشاہ نے کہا، یوسف کو فوراً میرے

پاس لا اور لیکن جب (بادشاہ کا)

پینچا میرے یوسف کے پاس پہنچا تو اس

نے کہا، تم اپنے آقا کے پاس جاؤ

اور دریافت کرو کہ ان عورتوں کا کیا

معاملہ تھا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ

قَالَ مَا خَطْبُكَ إِذْ رَأَيْتَنِي
 يُوسُفَ عَنْ نَفْسِهِ قُلْنَ
 حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ
 مِنْ سُوءٍ قَالَتِ امْرَأَةُ
 الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ
 الْحَقُّ أَنَا رَأَيْتُهُ عَنْ
 نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ
 ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ
 بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي
 كَيْدَ الْخَائِبِينَ وَمَا أُبْرِي
 نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ
 بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي
 إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ

لیے تھے، جیسی کچھ مکاریاں انہوں نے
 کی تھیں میرا پروردگار اسے خوب جانتا
 ہے۔ بادشاہ نے ان عورتوں کو بلا کر
 پوچھا۔ صاف صاف بتا دو اس وقت
 تمہیں کیا معاملہ پیش آیا تھا جب تم
 نے یوسف پر ڈورے ڈالے تھے
 کہ اسے اپنی طرف مائل کر لو، وہ عورتیں
 بولیں۔ حاشا للہ! ہم نے یوسف میں
 کوئی برائی کی بات نہیں پائی۔ عزیز کی
 بیوی بھی یہ سن کر بے اختیار بول اٹھی
 جو حقیقت تھی وہ اب ظاہر ہو گئی کہ
 ہاں میں ہی تھی جس نے یوسف پر
 ڈورے ڈالے تھے کہ اپنا دل ہار
 بیٹھے۔ بلاشبہ وہ بالکل سچا ہے یہ میں
 نے اس لیے کہا ہے کہ اسے (یوسف
 کو) معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی
 پیٹھ پیچھے اس کے معاملہ میں خیانت
 نہیں کی، نیز اس لیے کہ اللہ خیانت
 کرنے والوں کی بیڑوں پر کبھی کامیابی کی
 راہ نہیں کھولتا۔ میں اپنے نفس کے
 تقدس کا دعوے نہیں کرتی۔ ہمارا

نفس تو برائی کے لیے بڑا ہی ابھارنے
والا ہے۔ (اس کے غلبہ سے بچنا
مشکل ہے) مگر ہاں اس حال میں کہ
میرا پروردگار رحم فرمادے بلاشبہ میرا
پروردگار بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

(یوسف: ۵۰ تا ۵۲)

جب ان کی براءت غورتوں کی شہادت اور خود عزیزی کی بیومی کے اعتراف سے ثابت
ہوتی تب بادشاہ نے ان کو قید خانے سے نکلوایا اور آپ کی تعظیم و توقیر کی۔ جیسا کہ قرآن مجید
میں ارشاد ہے کہ:

بادشاہ نے حکم دیا، یوسف کو میرے پاس
لاؤ تاکہ اسے اپنے خاص کاموں کے لیے
مقرر کروں (پھر جب وہ آئے) ان سے
ملاقات کی تو کہا: آج کے دن سے تو
ہماری نگاہوں میں بڑا صاحب اقتدار
اور امانت دار انسان ہے۔

قَالَ الْمَلِكُ اُتُونِي بِهِ
اَسْتَخْلِصُهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا
كَلَّمَهُ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا
مَكِينٌ اَمِينٌ ○

(یوسف: ۵۲)

قرآن کریم کی آیات کا یہ مفہوم بالکل صاف اور واضح ہے، اکثر مفسرین کا اس کو
یوسف صدیق علیہ السلام کا قول قرار دینا محض بے دلیل اور ایک باطل قول ہے جیسے کہ
کسی دوسرے موقع پر اس کی مزید تشریح کی گئی ہے۔



بیانِ افضلیت و کمال

رجوع الی اللہ کا نتیجہ | یہاں پر یہ بتانا مقصود تھا کہ حضرت یونس علیہ السلام سے جو گناہ یا قصور سرزد ہوا، جب انہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کے طالب ہوئے تو ان کا سب گناہ بخشا گیا۔ قصور نیکیوں میں تبدیل ہو گیا اور رفیع درجات کا موجب ہوا۔ پھلی کے پیٹ سے نکلنے کے بعد کے یونسؑ رجوع الی اللہ کے باعث بہت عظیم المرتبت یونسؑ بن گئے۔ کلام پاک میں ہے:

نَاجْتَبُهُ رَبُّهُ وَجَعَلَهُ
مِنَ الصَّالِحِينَ
(ن: ۵۰)

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو چن لیا (برگزیدہ بنالیا) اور اپنے نیک بندوں میں داخل فرمایا۔

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنَّوَاتِيغِ | یہ ایک سکہ اصول ہے کہ "انما الاعمال بالخواصم" (بے شک عملوں کا اعتبار بلحاظ ان کے خاتمہ کے ہے) ہر ایک شخص کا درجہ کمال اس کی آخری حالت کے لحاظ سے تعین کیا جاتا ہے۔ ابتدائے حال کا کچھ لحاظ نہیں کیا جاتا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ انسان کو ابتدائے آفرینش میں جب ماں کے پیٹ سے نکالتا ہے تو وہ علم اور دیگر کمالات سے بالکل بے بہرہ ہوتا ہے۔ پھر بتدریج اس کو درجہ کمال تک پہنچاتا ہے۔ اب کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ایک کامل مکمل شخص کو اس کی طفلی کا زمانہ یاد دلائے اور اس کو جاہل تصور کرے۔ قبل از توبہ اور بعد از توبہ کی بھی بعینہ یہی کیفیت ہے۔ اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی

بعد از توبہ حالتِ اکمل احوال انسانی ہے اور از کتابِ خطارہ و تصور کی حالت کو ملحوظ رکھ کر ان کو ناقص یا قابلِ ملامت سمجھنا ایک نہایت ہی فلتِ خیال ہے۔

ملائکہ کو نبیاء پر فضیلت

غلط فہمی کی وجہ | جو لوگ ملائکہ کو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل سمجھتے ہیں ان کو بھی یہی غلط فہمی ہوئی ہے کہ انہوں نے ان کی موجودہ حالت کا ملائکہ کے ساتھ موازنہ کیا۔ اگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ان درجاتِ عالیہ اور اس مقامِ ارجمند کو مد نظر رکھتے ہو جنّت الفردوس میں داخل ہو کر ان کو حاصل ہو گا جب کہ وہ ان سے تمام نقائص اور عیوب سے مبرا ہوں گے جو موجودہ حالتِ بشریہ کا مقتضا ہے اور جب ملائکہ علیہم السلام ہر ایک طرف سے سلام کتر ہوئے ان کے محلات کے دروازوں سے داخل ہوں گے۔ فرمایا:

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ
عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ
سَلَامًا عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ
(ابراہیم، ۲۳، ۲۴)

اور فرشتے ان پر ہر دروازے سے
داخل ہوتے ہیں (اور کہتے ہیں)
تم پر بسبب صبر کرنے کے سلامتی
ہو۔

فضیلتِ کمال باعتبار مال | جب ان حالات کا لحاظ رکھا جائے تو انہیں معلوم ہو گا کہ کون افضل ہے اور مفضول بہ کون؟ مخلوقات میں سے کمال کسے حاصل ہے؟ کیا کسی عقل مند نے اس بات کو بھی سوچا ہے کہ کمال حاصل کرنے سے قبل ان کی اپنی

کیا حالت تھی؟ کیا وہ تمام محبوب و نقائص سے پاک تھے۔ کمالات کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیشہ آخری حالت کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ورنہ کون نہیں جانتا کہ ابتدائے خلقت میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بھی عام انسانوں کی طرح لطفہ اور مضغہ سے آفرینش ہوئی ہے اور انہوں نے بھی بچپن کے مراحل طے کیے ہیں، اس لیے کمال کے لیے مال کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور اسی بنا پر یہ خیال بھی غلط ہے کہ جو شخص مسلمان پیدا ہوا اور عمر بھر میں اس نے کفر نہیں کیا، وہ مطلقاً اس شخص سے افضل ہے جو کافر رہ کر مسلمان ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس کی عاقبت اعلیٰ اور افضل ہے، اسی کو اعلیٰ و افضل سمجھا جائے گا، خلفائے راشدین اور اکثر مہاجرین اور انصار کے سابقین اولین جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، ابتدائے عمر میں کافر تھے اور بعض ان میں سے (مثلاً حضرت عمرؓ) شدید ترین کفار میں سے تھے لیکن آخر عمر میں ان کو وہ مراتب عالیہ نصیب ہوئے کہ ان کی اولاد، جن کی پیدائش اسلام پر ہوئی، ان کے گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے۔

ابن تیمیہ کا قول | بلکہ میں کہتا ہوں، جس شخص نے ذوق اور وجدان سے شر اور معصیت کو پہچانا ہو، اس کی معرفت اکمل ہے، بمقابلہ اس شخص کے جس نے شر اور معصیت کو صرف نام سے جانتا ہے۔ یہاں تک کہ جو شخص صرف خیر و طاعت کو پہچانتا ہے۔ بعض اوقات اس کو ایک ایسا شریک پیش آجاتا ہے جس کو وہ نہیں جانتا۔ اس لیے یا تو وہ اس میں گر جاتا ہے یا کم از کم وہ اس کی نظروں میں اتنا مبغوض نہیں ہوتا جتنا کہ اس کو مبغوض ہونا چاہیے۔

خليفة ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں،

انما تنقض عری الاسلام | جب ایک شخص کی اسلام میں

لہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کا قول ہے۔

عدو اذا نشا في الاسلام
من لم يعرف الجاهلية
تربيت موتی ہے اور وہ جاہلیت
کو ذوق و وجدان کے ساتھ نہیں
پہچانتا تو بے شک اس کا انجام یہ ہوتا
ہے کہ وہ اسلام کی مضبوط کڑیوں کو
یکے بعد دیگرے کھول دیتا ہے۔

یہ نہایت سچا قول ہے کیونکہ اسلام کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل
اللہ ہی سے کمال حاصل ہوتا ہے۔ لیکن جس شخص نے نیکیوں کے ماحول میں تربیت
پائی ہے۔ اور منکرات سے اس کو واسطہ نہیں پڑا، اس کو منکرات کی کیفیت اور
حقیقت کا کما سبغی علم بھی نہیں ہوتا اور نہ اس کو ان سے احتراز کرنے اور ان کے ترکیب
کو منع کرنے اور ان کے ساتھ جہاد کرنے کے وسائل کا علم ہوتا ہے۔

صحابہ کرام کے ایمان اور جہاد کو کیوں تمام دنیا جہان کے ایمان اور جہاد پر فضیلت
حاصل ہے؟ اگر کوئی پہاڑ کے برابر بھی نیکی کرے تو وہ نیکی صحابہ کی ایک سیر مہر بلکہ پاؤ
بھرنی کی برابر بھی نہیں ہوتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خیر اور شر دونوں کے عالم تھے
ان کی نظروں میں ایمان اور عمل صالح کی قدر تھی اور کفر و معصیت ان کے نزدیک
مبغوض ترین چیز تھی۔

یہی وجہ ہے کہ جس شخص نے مرض اور تنگ دستی کا مزہ چکھا ہے وہ دولت اور
صحت کی قدر خوب جانتا ہے اور اس کی لذت کا بھی وہ ٹھیک احساس کر سکتا ہے
مشہور ضرب المثل ہے:

الاشیاء تعرف باضدادها

والضد يظهر حسنة الضد و بعضا تتبين الاشیاء

حضرت عمر فرمایا کرتے تھے:

لست بخب ولا یخد عفی | مجھے کوئی پوشیدہ بات دھوکے میں
الخب فالقلب السلم المحمود | نہیں رکھ سکتی۔ پس قابل تعریف
الذی ینید الخین لہا الشر | قلب سلیم وہ ہے جو نیکی کو پسند کرتا ہو
برائی کو پسند نہ کرے۔

کمال انسانی یہ ہے کہ نیکی اور برائی کو پہچاننے میں جو شخص شر کو نہیں پہچانتا۔ تو یہ
کوئی قابل تعریف صفت نہیں، بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک گورہ نقص ہے۔

بنیاد فضل و کمال | اب اس کو ایک قاعدہ کلیہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ جن نے کفر اور
معصیت کا بطور ذوق اور وجدان کے احساس کیا ہے وہ خواہ مخواہ کسی ایسے شخص سے
افضل ہو گا جس کو کبھی کفر اور معصیت سے واسطہ نہیں پڑتا کیونکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ طبعی امر
کا عالم ہوتا ہے اور وہ ہر ایک مرض کی حالت اور کیفیت کو مریض سے بہتر جانتا ہے
حالانکہ بہت کم امراض ایسے ہوتے ہیں جن کو ذوق اور وجدان اور ذاتی تجربہ کے طور
پر جانتا ہو۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی دراصل روحانی اطباء ہیں اور ان کو تمام امور
کا بخوبی علم ہے جو قلوب کی اصلاح یا فساد کا موجب ہو سکتے ہیں، اگرچہ تجربہ اور وجدان
کے طور پر ان کو شرور اور معاصی و ذنوب کا وہ علم نہیں ہوتا جو دوسرے لوگوں کو حاصل ہے۔

مختصر مضمون | ہماری پہلی تحریر کا مختصر صرف اس قدر ہے کہ بعض اشخاص کو شر
اور معصیت کا تجرباتی اور وجدانی علم ہونے سے اس سے وہ نفرت پیدا ہو جاتی ہے
اور وہ اس کو ایسا مبغوض سمجھتے ہیں جو بصورت دیگر متصور نہیں، مثلاً ایک شخص مشرک
یا یہودی یا عیسائی رہ چکا ہے اور اس کو شبہات اور اعتراضات کا علم ہے جو مخالفین
اسلام اس کی حقانیت اور خوبیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے وارد کیا کرتے ہیں اس
کے بعد اس کو اللہ تعالیٰ حق پہچاننے کی توفیق عنایت فرماتا ہے اور اس کو اسلام کے
محاسن اور خوبیاں سمجھا دیتا ہے تو ایسا شخص اکثر اوقات اسلام میں زیادہ راسخ اور

ثابت قدم ہوتا ہے۔ بمقابلہ اس شخص کے جس نے کفر اور اسلام دونوں کی حقیقت کا علم حاصل نہیں کیا، اس لیے کبھی تو اس کے دل میں اسلام اور کفر کے متعلق محبت اور بغض کا جذبہ بہت کمزور ہوتا ہے اور کبھی وہ اول الذکر کی مدح اور موخر الذکر کی مذمت کرنے میں نقطہ دوسروں کی تقلید کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ جس نے بھوک کا مزہ چکھا ہو پھر اس کے بعد سیر ہو کر کھانا کھایا ہو، یا جو بیمار ہو، پھر اس کے بعد صحت یاب ہو، یا جس نے خوف کے بعد امن کی حالتوں کو دیکھا ہو۔ پس ان امن و راحت، فقر و فاقہ اور رنج و غم کی سب حالتوں کا اندازہ شناس اس سے بدرجہا بہتر و افضل ہے جو ان کلفتوں اور راحتوں میں مبتلا نہ ہو اور۔

اہل بدعت کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اپنے فسق و فجور کی حالت میں داخل اسلام ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر حق و صداقت کا دروازہ کھول دیا اور وہ تائب ہو گئے انہیں توبۃ النصوح کا مقام حاصل ہوا اور جہاد فی سبیل اللہ کی حقیقت سے شاد کام ہوئے پس ان کا حال، ان کی ہجرت اور ان کا جہاد زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ ان لوگوں سے جنہوں نے ان حالتوں کی پاشنی نہیں چکھی، چنانچہ نعیم بن حماد خزاعی سے منقول ہے کہ:

”میں اہلیہ کے مقابلہ میں اس سے سخت ہوں کہ میں خود پہلے بھی تھا“
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِّلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنَّا فِي سَبِيلِنَا وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ سَبِيلٌ
مَّا فِتْنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ مَسَابِقَنَا إِلَى اللَّهِ
عَسَىٰ يُنظَرُونَ ﴿۱۱۰﴾

فقہ سے تنگ آجانے کے بعد ہجرت کی، پھر انہوں نے جہاد کیا اور سکلیفوں کو برداشت کیا، بلاشبہ تیرا پروردگار اس کے بعد نخبے والا مہربان ہے۔

(النحل: ۱۱۰)

حضرت عمر بن الخطاب اور خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو صحابہ کرام میں جو درجہ حاصل تھا، وہ کسی ایسے شخص سے پوشیدہ نہیں جو اسلام کی تاریخ سے واقف ہے ایمان و عمل صالح کا معاملہ ہو، یا کفار و مشرکین سے جہاد کا کمال ہو، خواہ اللہ اور اس کے رسول کی نصرت فرمائی کا خصوصاً حضرت عمر کو تمام مسلمانوں پر (جس میں صحابہ بھی شامل ہیں) سوائے ابوبکر صدیق کے تفوق حاصل ہے، کیونکہ وہ مجسمہ ایمان و اخلاص تھے صداقت و معرفت کے عرفان، اعلیٰ درجہ کے صاحب فراست اور سیاستدان تھے ایسا نور الہی تھے جو ہوائے نفس سے پاک ہو اور اقامت دین کے معاملہ میں بلند پایہ اور باہمت سپہ سالار تھے۔

الغرض فضائل اور کمالات کا موازنہ کرتے وقت اتہا اور آخر حال کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ ابتدائی حالت کا کچھ لحاظ نہیں رکھنا چاہیے۔



توبہ اور نجاتِ داین

ذریعہ محبوبیتِ خداوندی | اسرائیلیات میں سے ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ
خداوند تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا:

اما الذنب فقد غفرتنا و گناہ تو ہم نے معاف کر دیے لیکن

اما الود فلا يعود وہستی واپس نہیں لوٹ سکتی۔

اگر اس حکایت کی صحت کو درست مان لیا جاتا تو اس کی موجودگی میں ہم اپنے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کی آوردہ شریعت اور دین کا نام بھی نہ لے سکتے، کیونکہ حضرت محمد صلی
اللہ علیہ وسلم کا دین توبہ کے معاملہ کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ اگلی تمام شریعتوں میں
سے کسی نے بھی اس طرح پیش نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا:

انا نبی الرحمة وانا میں رحمت والا نبی ہوں اور میں توبہ

نبی التوبة والا نبی ہوں۔

بلاشبہ دینِ اسلام نے وہ تمام بندشیں اور رکاوٹیں دور کر دی ہیں جو پہلے مذاہب

میں موجود تھیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں

وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ○ اور پاکیزہ رہنے والوں کو دوست رکھتا۔

صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث منقول ہے:

ان الله تعالى يفرح بتوبة	بے شک اللہ تعالیٰ کسی توبہ کرنے والے
التائب اعظم من فرح	کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ
النايد لما يحتاج اليه من	خوش ہوتا ہے جس کی اونٹنی کھانے
الطعام و الشراب والمركب	پینے کے سامان سے لدی ہوئی گم
اذا وجد بعد الياس	ہو جائے اور وہ اس کی تلاش کر
-----	کر کے پاؤں ہو جائے اور پھر وہ
-----	اچانک اسے مل جائے۔

افضلیت اعمال | اب تم خود سمجھ لو کہ جس سے خدائے تعالیٰ محبت رکھتا ہے اور جس سے وہ خوش ہے۔ کیا اس کے گناہ کا کوئی اثر باقی رہ سکتا ہے جس کو فضائل اور کمالات کے موازنہ کے وقت ملحوظ رکھنا لازم ہے؟ بے شک وہ توبہ کے بعد خدائے تعالیٰ کا محبوب ہے جب خوشی اور محبت الہی کا یہ حال ہے تو کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ:

إِنَّهُ لَا يَعُوذُ لِمَوْ دَّتِهِ
وہ اپنی دوستی کو واپس نہیں لانا۔

بالفاظ دیگر توبہ کرنے والا محبت الہی کو بیٹھتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ	وہ بخشنے والا، دوستی رکھنے والا
ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ	بزرگی والا عرش کا مالک ہے جو چاہتا
فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ	ہے کرتا ہے۔ (البروج: ۱۶ تا ۱۷)

لیکن اس کی دوستی اور اس کی محبت کی کمی بیشی اس لحاظ سے ہوتی ہے جس لحاظ سے آدمی تقرب الی اللہ حاصل کرتا اور توبہ و انابت کو ذریعہ حصول بناتا ہے اور اگر اس کے وہ اعمال صالحہ جو وہ توبہ کے بعد عمل میں لاتا ہے قبل از توبہ کے اعمال سے افضل ہیں تو اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی بعد از توبہ

کی دوستی قبل از توبہ دوستی سے زیادہ بلند مرتبہ ہوگی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو معاملہ خراب ہو جاتا، کیونکہ جزائے اعمال بھی ایک جنس ہے اور خدا بندوں کو پورا پورا بدلہ دیتا ہے۔

وَمَا نُبُكَ بِظَلَمٍ لِّلْعَبِيدِ اور تیرا رب بے انصافی نہیں کرتا۔
مفصلہ بالا آیت شریفہ اور حدیث کو پڑھ کر اس حدیث قدسی کا مضمون بھی ملحوظ رکھنا لازم ہے جو صحاح میں منقول ہے:

جو شخص میرے کسی دوست کو دشمن	مَنْ عَادَى لِيُ وَلِيًّا فَقَدْ
سمجھتا ہے تو یقیناً میری طرف سے	اَذْنَتْهُ بِالْحَرْبِ وَمَا
اسے اعلان جنگ ہے۔ میرا بندہ	تَقَرَّبَ إِلَىَّ عَبْدِي بِمِثْلِ
ان ذرائع کی ادائیگی سے میرا قرب	اَدَاءِ مَا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَ
نہیں پاتا بلکہ میرے قرب کے لیے	لَا يَنْزِلُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ
کثرتِ نوافل کا شغل اختیار کرتا ہے	إِلَىَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّىٰ أُحِبَّهُ
حتیٰ کہ مجھے اس سے محبت ہو جاتی	فَإِذَا أُحِبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ
ہے، پھر میں اس کے کان بن جاتا	الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ
ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس	الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ وَيَدَهُ
کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ	الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ
دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں	الَّتِي يَمْشِي بِهَا فَبِي يَسْمَعُ
جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے	وَبِي يَبْصُرُ وَبِي يَبْطِشُ
پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا	وَبِي يَمْشِي وَلَيْنُ سَالِنِي
ہے۔ پس وہ مجھ ہی سے سنتا اور مجھ	لَا عَظِيَّتُهُ وَلَيْنُ اسْتَعَانِي
ہی سے دیکھتا اور مجھ ہی سے پکڑتا اور	لَا عِيْدَنَّهُ وَمَا تَرَدَّدْتُ
مجھ ہی سے چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے	فِي شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدَّدْتُ فِي

قَبْضِ نَفْسِي عَبْدِي
 الْمُؤْمِنِ يَكُنْهُ الْمَوْتُ
 وَأَكُنْهُ مَسَاءَتَهُ وَلَا
 بُدْلَةَ مِنْهُ

سوال کرے تو میں ضرور پورا کرتا ہوں
 اور اگر میری پناہ چاہے تو اسے پناہ
 دیتا ہوں اور جو کچھ میں چاہتا ہوں،
 کر لیتا ہوں کیونکہ میرا چاہنا میرے اپنے
 قبضہ میں ہے۔ میرا بندہ موت سے
 کراہت کرتا ہے اور میں اس کی
 برائی ناپسند کرتا ہوں اور یہ اس کے
 لیے ضروری ہے۔

افضل بعد از انبیاء | یہ بھی معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل ترین لوگ
 مہاجر اور انصار ہیں جو سابقین اور اہلین میں سے تھے اور اپنے پروردگار سے محبت اور
 دوستی کا دم بھرتے تھے اور وہ بھی قبل از اسلام کفر و فسق، عصیان و طغیان سے توبہ
 کے بعد اس مقام عالی پر فائز ہوئے تھے۔ ان کی دوستی اور محبت کا یہ تقرب فالض
 کی ادائیگی کے بعد نوافل کے ذریعے حاصل ہوا، اس طرح وہ خدا کے محبوب و
 مقبول اور دوست اور محب صادق بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ
 وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ
 مَوَدَّةً وَاللَّهُ قَدِيرٌ وَاللَّهُ
 غَفُورٌ رَحِيمٌ ○

(الممتحنہ: ۷)

عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان
 لوگوں کے درمیان جو تمہارے سامنے
 عداوت رکھتے ہیں، آپس کی الفت
 پیدا کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس بات
 پر قادر ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ آیت ان مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے جنگِ احزاب میں
 اللہ اور اس کے رسولؐ کے سامنے دشمنی کی تھی۔ جیسے ابوسفیان بن حرب، ابوسفیان

بن حرث، حرث بن ہشام، سہیل بن عمر، عکرمہ بن ابوہبل، صفوان بن امیہ وغیرہ، پھر انہی لوگوں نے اپنی دشمنی کے بعد رسول اللہ اور مسلمانوں سے خدا کو درمیان میں لاکر دوستی کا عہد و پیمانہ باندھا تھا اور یہی ان کی فضیلت کی وجہ ہے۔ پھر عکرمہ، سہیل، حرث بن ہشام، تینوں کی دوستی ابوسفیان کی دوستی سے بھی افضل ہے۔ نیز صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ:

ان ہند اسعدا ابی سفیان	ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے کہا جو
ام معاویہ قالت یا	معاویہ کی ماں بھتی، خدا کی قسم اے اللہ
رسول اللہ ما کان علی	کے رسول! روئے زمین پر کوئی بھی
وجہ الارض اهل خباء	گھرانہ نہیں تھا جو مجھے زیادہ محبوب ہو
احب الی ان یذلو امن	اگرچہ وہ ذلیل ہوں، آپ کے گھرانہ
اهل خباءك و قد اصبحت	میں اور اب میری یہ حالت ہو گئی
و ما علی وجہ الارض	ہے کہ روئے زمین پر کوئی گھرانہ نہیں
اهل خباء احب الی ان	جسے زیادہ محبوب جانوں، اگرچہ وہ
یعز و امن اهل خباءك	زیادہ معزز ہوں، آپ کے گھرانہ سے۔
فذک النبی صلی اللہ علیہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی
وسلم نحو ذلک	بیان فرمایا۔

نیز یہ مسلمہ امر ہے کہ مومنوں کی محبت اور دوستی، اللہ کی محبت کے تابع ہے کیونکہ موثق ترین ایمان الحب فی اللہ و البغض فی اللہ ہے۔ پس اللہ کیلئے محبت کمال توحید سے ہوتی ہے اور اللہ کی سی محبت کرنا شرک ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

و مِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ	انسانوں میں سے کچھ انسان ایسے
مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا	بھی ہیں جو خدا کو چھوڑ کر دوسری بتوں

يَجُودُونَ لَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (البقرة: ۱۷۵)

کو اس کا شریک بنا لیتے ہیں جنہیں وہ اس طرح محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرنی چاہیے۔ حالانکہ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ سب سے زیادہ محبوب اللہ کو سمجھتے ہیں۔

دوستی اور دشمنی کا اصول | یہی دوستی رسول اور مومنوں کے مابین ہوتی اور ان مشرکین کے درمیان بھی ہوتی جنہوں نے ان کے ساتھ دشمنی کی ہوتی، حقیقی دوستی اور محبت وہی ہے جو صرف اللہ کے لیے ہو جو اللہ کو محبوب جانتا ہے اللہ سے خوب محبوب رکھتا ہے اور جو اللہ کو دوست بناتا ہے، اللہ سے دوست بنا لیتا ہے۔ پس جان لو کہ توبہ کے بعد اللہ انہیں اس طرح محبوب اور دوست بنا لیتا ہے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ پھر یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ توبہ کرنے والا بخشش تو حاصل کر لیتا ہے مگر دوستی حاصل نہیں کرتا۔

اگر سائل کا یہ اعتراض ہو کہ کافر ہونے کی وجہ سے وہ یہ نہیں جانتے کہ جو کچھ انہوں نے کیا وہ فعل حرام ہے۔ بلکہ وہ تو جاہل تھے، اس لیے نادانستہ ایک حرام فعل کے مرتکب ہوئے۔ اس کا جواب دو طرح پر ہے:

اول تو یہ بات غلط ہے کہ انہوں نے نادانستہ ارتکاب حرام کیا ہو کیونکہ اکثر کافر بھی جانتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور حسد و بکر کی بنا پر آپ سے دشمنی کرتے تھے جیسے مثلاً ابوسفیانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی خبریں عام یرموک میں امیہ بن ابیصلت اور ہرقل بادشاہ روم سے سنی تھیں پھر بھی وہ اسلام کے ہی خواہ نہ بنا اور اللہ اور اس کے رسول سے بہت بڑی دشمنی کرتے ہو جتنی کہ وہ مشرف باسلام ہوا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ
 اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَ لَا يَقْتُلُونَ
 النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا
 بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُونَ وَ مَنْ
 يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَتَمًا
 يَضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ
 الْقِيَامَةِ وَ يَخْلُدُ فِيهِ
 مُهَانًا إِلَّا مَنْ تَابَ وَ آمَنَ
 وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ
 يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ
 (الفرقان : ۳۸ تا ۴۰) ۴

جو لوگ اللہ کے ہمراہ کسی دوسرے معبود
 کی پرستش نہیں کرتے اور جس جان
 کو مارنا حرام کر دیا ہے اسے نہیں مارتے
 مگر حق کے ساتھ اور نہ ہی وہ زنا کرتے
 ہیں جو شخص ایسا کرے گا وہ سخت
 عذاب پائے گا۔ قیامت کے دن
 اسے عذاب دگنا کر دیا جائے گا اور
 وہ ذلیل ہو کر اس میں ہمیشہ رہے گا
 مگر جو شخص توبہ کر لے اور نیک کام کرے
 یہی لوگ ہیں جن کے گناہ نیکیوں سے
 بدل دے گا۔

پس نیکیاں ہی ہیں جو ان کے لیے اللہ کی دوستی کا موجب ہوئیں اور برائیوں کو
 نیکیوں سے بدلنا ان لوگوں کے لیے ہرگز مخصوص نہیں ہے جو کافر رہے جیسا کہ اللہ
 تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سب کی توبہ کو شرف قبولیت حاصل ہوتا ہے:

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ
 يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ
 ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ
 فَأُولَئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ
 وَ كَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا
 (النساء : ۱۷)

اللہ کے حضور توبہ کی قبولیت انہی
 لوگوں کے لیے ہے جو برائی کی کوئی
 بات نادانی و بے خبری سے کر بیٹھے
 ہیں تو پھر فوراً توبہ کر لیتے ہیں تو ایسے
 ہی لوگ ہیں۔ اللہ ان کی توبہ قبول فرما
 لیتا ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جانتا
 حکمت والا ہے۔

حضرت ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابہؓ سے اس آیت کریمہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا، جس کسی نے اللہ کی نافرمانی کی وہ جاہل ہے اور جس کسی نے مرنے سے پہلے توبہ کر لی تو اس کی توبہ عنقریب قبول ہوگی۔

معيار محبوب اللہ | دوسرے دونوں قسم کی توبہ کے درمیان جو فرق کیا جاتا ہے خواہ گنہگار کی توبہ ہو یا مطلق توبہ۔ تو اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے خواہ وہ جانتے ہوں کہ وہ گنہگار ہیں یا نہ جانتے ہوں۔ اس لیے جو شخص اپنے کو مجرم گردان کر توبہ کرے گا تو ضروری ہے کہ اس کی مذموم صفت، محمود سے بدل دی جائے، یعنی اگر وہ حق کو مبغوض جانتا تھا تو وہ اسے محبوب جاننے لگے گا اور اگر باطل چیز سے محبت کرتا تھا تو وہ اسے ناپسند کرنے لگ جائے گا۔ پس اس طرح توبہ کرنے والے کو معرفتِ حق حاصل ہوگی۔ حق کو اچھا سمجھ کر اس پر کار بند ہو جائے گا اور باطل کو بُرا جان کر اس سے اجتناب کرے گا۔ سو یہی باتیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا، ان سے خوش ہوتا اور محبت کرتا ہے۔ اس طرح جس بندے کا بھی جو کام محبوبیتِ حق میں جس قدر عظیم ہوگا، حق تعالیٰ بھی اسی قدر عظیم محبت سے پیش آئے گا اور اسے مکروہات سے پھیر کر پسندیدہ کاموں کی طرف منتقل کر دے گا اور ساتھ ہی وہ اس قوت کے ساتھ جس سے وہ باطل کو مبغوض جانے لگا۔ خدا کی پسندیدہ چیزوں کو محبوب سمجھنے لگ جائے گا۔ پس یہ محبتِ حق کی زیادتی کا موجب ہوگی اور اس کی دوستی سے بہرہ مند ہونے کی بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو نیکیوں سے اس لیے بدل ڈالے گا کہ اس نے اپنی مذموم صفات کو محمود اور قابلِ تعریف بنا لیا ہے۔

جزائے اعمال بھی چونکہ ایک جنس ہے اور جب توبہ کرنے والا خدا کی پسندیدہ چیزوں کا اس المال بہ نسبت دوسروں کے زیادہ لے کر آئے گا تو خدا کی محبت بھی عظیم ترین ہوگی اور جب اس کے کام جن کو اللہ دوست رکھتا ہے توبہ قبول کرنے سے پہلے

کاموں سے زیادہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ بھی توبہ کرنے کے بعد اس سے زیادہ دوستی کا ہاتھ بڑھائے گا، پھر یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ :-

المؤدۃ لا یعود | خدا کی دوستی حاصل نہیں ہوتی۔
الغرض یہ کہنا جیسے کہ بعض اسرائیلیات سے منقول ہے کہ توبہ کرنے سے مغفرت
تو حاصل ہو جاتی ہے لیکن خدا کی دوستی حاصل نہیں ہوتی اور اس کی محبت سے انسان
محروم رہتا ہے، ایک سر اسر لغو اور باطل قول ہے۔

اہل تشیع کے عقیدے کی تردید

قبل از نبوت معصومی انبیاء | اس تقریر سے ان لوگوں کے شبہہ کا جواب ہو جانا
ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نبی کے لیے ضروری ہے کہ نبوت سے پہلے بھی وہ گناہوں سے معصوم
ہو جیسا کہ بعض اہل تشیع کا اعتقاد ہے اور اسی طرح جس نے کہا کہ ہر نبی کے لیے ضروری
ہے کہ نبوت سے پہلے بھی مومن ہو کیونکہ ان لوگوں کو یہی غلط فہمی ہے کہ کسی گناہ کا
صادر ہونا ہمیشہ کے لیے اس کے ترکیب کے ماسختے پر کلنک کا ٹیکہ لگ جاتا ہے۔
چاہے اس نے اس سے توبہ کر لی ہو لیکن ہم نے تم پر ثابت کر دیا ہے کہ سچی توبہ کے
بعد آدمی خدا سے تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور گزشتہ افعال سے اس کی تنقیص
نہیں کی جاسکتی اور جو لوگ اس کو نقص خیال کرتے ہیں وہ بھاری غلطی کے ترکیب ہوتے
ہیں جو مذمت اور عقوبت کسی گناہ کا نتیجہ ہو سکتی ہے، وہ اس شخص کے لیے ہرگز
نہیں جو اس سے تائب ہو چکا ہے۔

تاخیر و توقف قابلِ پاداش | البتہ اگر گناہ صادر ہونے کے بعد توبہ میں تاخیر کی جائے اور توقف کے مناسب حال سزا کا وہ مستوجب ہوگا لیکن انبیاء علیہم السلام نے کبھی توبہ میں تاخیر نہیں کی اور اگر بالفرض کسی نے کچھ تاخیر کی تو اللہ تعالیٰ نے فوراً اس کو آزمائش میں ڈالا جس سے اس کا کفارہ ہو گیا۔ چنانچہ ذی النون (یونس علیہ السلام) کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ نبوت کے بعد یہ واقعہ پیش آیا اور جو شخص کہتا ہے کہ قبل از نبوت کا واقعہ ہے تو یہ بات چنداں قابلِ التفات نہیں، کیونکہ کفر و ذنوب سے توبہ کرنے والے بہر حال ان لوگوں سے افضل ہیں جو سرے سے کفر و ذنوب میں ملوث نہیں ہوئے جب ان کی فضیلت مستحق ہو گئی تو ضروری ہے کہ فضیلت والے نبوت کے زیادہ حقدار ٹھہریں۔

بطلان عقیدہ باطلہ | ہر کیف قرآن کریم کے نصوص اس قول کو باطل قرار دیتے ہیں کہ توبہ کے بعد بھی انسان اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم رہتا ہے مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ قرآن کریم میں پڑھو تو تم پر واضح ہو جائے گا کہ آپ کے بھائیوں نے آپ کے ساتھ کیا کچھ کیا اور کن کن گناہوں کے وہ ترکیب ہوئے لیکن بائیں ہمہ اسباط یعقوب علیہ السلام کا نبی ہونا قرآن کریم کی آیات سے ثابت ہے۔ خود حضرت یوسف علیہ السلام توبہ کے بعد ان سے اس طرح مخاطب ہوئے کہ:

لَا تَنْبِئْ عَلَيْنَا يَوْمَ آجٍ نَمُورُ بِرُكْحٍ مُّلاَمٍ نَهْنِي -

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا بیان فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

فَأَمِّنْ لَهُ لَوْظَ وَقَالَ | پس ان پر لوط ایمان لے آئے اور

إِنِّي مُسَاجِدٌ إِلَىٰ رَبِّي | کہا بے شک میں اپنے رب کی

(العنکبوت: ۲۶) | طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔

جس کے بعد اس بات کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو اپنی

قوم کی طرف پیغمبر بنا کے بھیجا اور ان کی پیغمبری کا قصہ کہی جگہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔
حضرت شعیب علیہ السلام کے قصے کے اثنائے میں آتا ہے:

<p>شعیب علیہ السلام کی قوم کے گردون کشوں بنے کہا، اسے شعیب ہم تم کو اور جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو بھی اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔ شعیب نے کہا اگر ہم تمہارے دین سے متنفر بھی ہوں، تب بھی؟ جب اللہ نے ہمیں تمہارا باطل مذہب سے نجات بخشی ہے تو اگر اب ہم تمہارے دین میں لوٹ آئیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ تمہاری طرف لوٹیں مگر جو کچھ ہمارا رب چاہے ہمارے رب کا علم ہر ایک چیز کو گہرے ہوئے ہے۔ ہمیں اللہ پر پورا بھروسہ ہے۔ اسے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کھول دے۔ اور تو بہتر کھولنے والا، سچا</p>	<p>قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَشْعِيبُ وَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَنَعُودَنَّ فِي مِلَّتِنَا قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللَّهُ مِنْهَا وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا مَا بَدَأَنَا أَفْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ</p>
--	--

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا
لِئَسْلِمَ لَنَا كَلِمًا
مِّنْ أُنْضِينَا أَوْ لَتَعُوذُنَّ
فِي مِلَّتِنَا فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ
رَبُّهُمْ لَنُهَدِّكَ الظَّالِمِينَ
وَلَنُسَكِّنَنَّكُمْ الْأَرْضَ
مِنْ بَعْدِهِمْ ذَلِكَ لِمَنْ
خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ
(الرعد: ۱۳، ۱۴)

منکروں نے اپنے رسولوں سے کہا
ہم تمہیں اپنے ملک سے فروز نکال
باہر کریں گے۔ یا پھر تم ہمارے مذہب
میں لوٹ آؤ۔ ہم نے رسولوں پر وحی بھیجی
اب ہم ان ظالموں کو ہلاک کر ڈالیں
گے اور ان کے بعد تمہیں اس
سر زمین میں جگہ دیں گے۔ یہ اس
کے لیے ہے جو ہماری حکومت سے
ڈرا اور ہماری وعید سے خائف ہوا

الغرض گناہ صادر ہو جانے کے بعد تائب ہونا تنقیص کا موجب نہیں
بلکہ توبہ بھی منجملہ دیگر فضائل اور کمالات کے ایک فضیلت اور کمال ہے۔



بلا استثناء فرضیتِ توبہ

حُصُولِ کَمَالِ کَا ذَرِیْعَہ | ہر ایک شخص پر توبہ فرض کی گئی ہے کیونکہ توبہ ہی اس کے لیے حصولِ کمال کا ذریعہ ہے۔ کلامِ مجید میں ہے:

بے شک نوعِ انسانی بہت ظالم اور جاہل ہے اس کا انجام اور نتیجہ یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے گا، اور مومن مردوں اور مومن عورتوں پر ان کی توبہ کی وجہ سے رحمت کے ساتھ رجوع فرمائے گا اور بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔	إِنَّهٗ كَانَ ظَلُومًا جَاهِلًا لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنَافِقِيْنَ وَ الْمُنَافِقَاتِ وَ الْمَشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكَاتِ وَ يَتُوبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا
--	---

(الاحزاب: ۷۳)

بالفاظِ دیگر نوعِ انسانی کے ہر ایک فرد کا کمال اس میں ہے کہ وہ تائب ہو، جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہو گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَ تَوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا | مومنو! تم سب اللہ کی طرف رجوع

أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُونَ
(النور: ۳۱)

کر و اس کی بارگاہ میں تائب ہو
جاؤ، تب یہ امید رکھو کہ تم کامیاب
ہو گے۔

موردِ عنایتِ الہی اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں اس بات کی خبر دی ہے
کہ آدم اور نوح علیہما السلام اور دیگر انبیائے عظام حتیٰ کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
نے توبہ کی اور موردِ عنایات ہوئے۔ سب سے آخر میں جو آیتیں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم پر نازل ہوئیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں :-

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ
وَمَا آتَى النَّاسَ يَدُ الْخُلُوفِ
فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ
بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ
إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا
(النصر: ۱ تا ۴)

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت
اور فتح مندی کا ظہور ہوگا اور تم دیکھو
گے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں
جو حق درجہ حق داخل ہو رہے ہیں
تو تم اللہ تعالیٰ کی پاکی اور اس کی حمد
بیان کرو اور اس سے مغفرت طلب
کر و بے شک وہ توبہ قبول کرنے
والا اور رجوع کرنے والا ہے۔

اُسوۂ نبیٰ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان آیات
کے نازل ہونے کے بعد آپ اکثر رکوع و سجد میں یہ الفاظ دہرا یا کرتے تھے :-
سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا
بِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي
پاک ہے تو اے اللہ ہمارے پروردگار
اور تیرے لیے ہی سب تعریف
ہے۔ یا اللہ! مجھے بخش دے۔

یہ قرآنِ کریم کی تاویل ہے اور اس سے قبل فرمایا ہے :-

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَنْفِيهِمْ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِمَّنْ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ ۝

بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور ان مہاجرین و انصار کی توبہ قبول فرمائی جنہوں نے تنگی کے وقت میں آپ کا ساتھ دیا۔ ان کے توبہ کرنے اور پھر ان کی توبہ مقبول ہونے سے پیشتر قریب تھا کہ ان میں سے ایک فریق کے دل راہِ راست سے منحرف ہوں۔ اس حالت کے بعد اللہ نے ان پر رحمت کے ساتھ رجوع فرمایا اور ان کی توبہ قبول کی۔ بیشک وہ ان پر نہایت ہی مہربان ہے۔

(التوبہ : ۱۱۷)

ستر بار سے زیادہ مرتبہ توبہ صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول منقول ہے کہ :

يَا أَيُّهَا النَّاسُ تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ مَا بَكُرُ فَوَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَا أَسْتَعْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً

لوگو! اللہ کی طرف رجوع کرو اور تائب ہو جاؤ۔ مجھے اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ بے شک میں دن بھر میں ستر سے بھی زیادہ مرتبہ اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کی بارگاہ میں تائب ہوتا ہوں۔

استغفار کی دعائیں

سو سو بار توبہ | رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ:

انی لیغان علی قلبی وانی | بے شک میرا قلب گناہ ہے اور
لاستغفر اللہ فی الیوم | دن میں سو بار اللہ سے بخشش مانگتا
مائة مرة | ہوں۔

سنن میں ابو عمر سے منقول ہے کہ ہم گنتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ایک ہی مجلس میں مندرجہ ذیل کلمات سو بار کہے:

رب اغضلی و تب | میرے پروردگار مجھے بخش دے اور
علیٰ انک انت التواب | میری توبہ قبول فرما۔ بیشک توبہ بڑا ہی
الغفور | توبہ قبول کرنے والا بخشنے والا ہے۔

قومہ نماز کی دعا | صحیحین میں ابوسوسے اشعریؒ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي | یا اللہ! میری خطاؤں، میری نادانی،
وَجَهْلِي وَاِسْرَافِي فِي | اور میرے کاموں میں میرا اسراف
اَمْرِي وَاَنْتَ اَعْلَمُ | اور جو میرے عیوب تجھ پر ظاہر ہیں
بِهِ مِنْي اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي | سب معاف فرما دے۔ یا اللہ میری

ہن لئ و جدی و خطائی
 و عمدی و کلّ ذلک عندی
 اللہم اغضبی ما قد مت
 و ما اخذت و ما اسردت
 و ما اعلنت و ما انت اعلم
 بہ بنی انت المقدم و
 انت المؤخر و انت علی
 کلّ شیء قدير

ہزلیات اور میری قصدِ خطائیں اور
 بھول چوک اور ایسی ہی میری اور غلطیاں
 بخش دے، یا اللہ میری مقدم و مؤخر
 اور پوشیدہ اور علانیہ کی خطائیں اور جو
 کچھ عیوب تو میرے متعلق جانتا ہے،
 سب معاف فرما دے، تو ہی مقدم
 اور تو ہی مؤخر ہے اور تو ہی ہر طرح کی
 سب باتوں پر قادر ہے۔

تہجیر تحریر اور قرارہ کی درمیانی دعا

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت
 ہے کہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا، یا رسول اللہ! تجیر اور قرارہ کے درمیان
 خاموش رہ کر آپ کیا پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، میں یہ دعا پڑھتا ہوں:

اللہم باعد بیني و بين
 خطایای كما باعدت بین
 المشرق و المغرب
 اللہم تقنی من الخطایا
 كما تقی الثوب الابيض
 من الدنس اللہم اعسل
 خطایای بالماء و الثلج
 و البرد

بارخدا یا! میرے اور میرے گناہوں
 کے درمیان مشرق اور مغرب کا فاصلہ
 ڈال دے۔ بارخدا یا! مجھے گناہوں
 سے اس طرح پاکیزہ بنا دے جیسے
 سفید کپڑے کو میل کچیل سے اجلا کر
 لیا جاتا ہے۔ بارخدا یا! میرے گناہوں
 کو رحمت کے پانی اور برف اور
 اولوں سے دھو ڈال۔

صحیح مسلم کی ایک روایت ہے کہ آپ رکوع سے سر اٹھا کر بھی یہی الفاظ زبان
 پر لاتے تھے۔

آغازِ نماز کی دعا نیز صحیح مسلم میں حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے شروع میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

<p>بارخدا یا! تو بادشاہ ہے۔ تیرے بغیر کوئی اور معبود نہیں، تو میرا پروردگار ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔ میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور برائیاں کیں بے شک سوائے تیرے اور کوئی گناہوں کا بخشنے والا نہیں۔ بارخدا یا! مجھ کو بہترین اخلاق و اعمال کی ہدایت فرما۔ سوائے تیرے اور کوئی یہ ہدایت دینے والا نہیں اور برے اخلاق و اعمال مجھ سے دور رکھ بیشک تیرے سوا اور کوئی مجھ کو الگ سے دور نہیں رکھ سکتا۔</p>	<p>اللَّهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ مَرِيئٌ وَأَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِي وَعَمِلْتُ سُوءًا فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ اللَّهُمَّ ارْهُدْنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَأَمْرِئٌ عَنِئٌ سَيِّئًا فَإِنَّهُ لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئًا إِلَّا أَنْتَ</p>
--	---

سجے کی دعا اسی طرح صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجے میں کہا کرتے تھے کہ:

<p>بارخدا یا! میرے تمام چھوٹے اور بڑے ظاہر اور پوشیدہ، اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے۔</p>	<p>اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي وَذَنْبِي كُلَّهُ دِقَّةً وَجِلَّةً وَعَلَا بِنِيَّةٍ وَسِرَّةً وَأَوَّلَهُ وَآخِرَهُ</p>
--	--

سواری کی دعا **تلقین** سنن کی کتابوں میں حضرت علیؑ بن ابی طالب سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب سواری لائی گئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اور یہ آیت پڑھی:

سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرْنَا لَنَا هَذَا | پاک ہے وہ خدا جس نے اس قسم کی سواہی
وَمَا كُنَّا لَهُ مُتْرِبِينَ | کو ہمارے لیے مسخر کیا، حالانکہ ہم ان
وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ | کے مقابلے کے نہیں تھے۔ اور بیشک
ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے
وَاللَّيْلِ بِسْمِ اللَّهِ نَعْلَمُ الْبُرُوجَ | والے ہیں۔

(زخرف: ۱۴)

پھر تبخیر کہہ کر حمد کے الفاظ زبان پر لائے اور فرمایا:

سُبْحَانَكَ ظَلَمْتُ نَفْسِي | تو پاک ہے میں نے اپنے نفس پر
فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ | ظلم کیا۔ مجھ کو بخش دے بے شک
الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ | تیرے سوا کوئی اور گناہوں کی مغفرت
نہیں سزا داتا۔

پھر آپ نے ہنس دیا اور فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يُعْجِبُ مَنْ | بے شک پروردگار عالم اپنے بند سے
عَبْدَهُ إِذَا قَالَ اغْفِرْ لِي | پر تعجب کرتا ہے جب وہ کہتا ہے،
فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ | خدایا مجھے بخش دے، کیونکہ تیرے
إِلَّا أَنْتَ | سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں۔

قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرمایا:

وَاسْتَغْفِرْ لِدُنُوبِكَ وَ | تم اپنے گناہوں کے لیے اور دیگر مومن
لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ | مردوں اور مومن عورتوں کے لیے مغفرت
طلب کرو۔

قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا | بے شک ہم نے تم کو نمایاں فتح مندی

لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنْبِكَ وَ مَا تَأَخَّرَ | عنایت کی اور بالآخر اللہ تعالیٰ تمہارے
 صحاح میں روایت شفاعت میں ثابت ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اپنی امت
 کو جب وہ ان کے پاس شفاعت کی غرض سے حاضر ہوں گے تو فرمائیں گے :-

إِذْ هَبُوا إِلَى مُحَمَّدٍ عَبْدٍ | محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ
 غَفَرَ اللَّهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ | اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے سب
 ذُنُوبِهِ وَ مَا تَأَخَّرَ | گناہ معاف فرمادیلے ہیں

دوسری حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر لباً قیام فرماتے تھے
 کہ آپ کے دونوں قدم مبارک متورم ہو جاتے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ اس
 قدر کیوں کلیف اٹھاتے ہیں تو آپ نے فرمایا:

أَفَلَا أكون عبداً شكوراً | کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار
 بندہ نہ بن جاؤں۔



مفسرین کی غلط تاویلات

فرقہ جہمیہ باطنیہ کی توجیہ | الغرض کہاں تک قرآن اور حدیث کے حوالے بیان کیے جائیں اور صحابہ و تابعین اور علمائے سلف کے اقوال سنائے جائیں لیکن جو لوگ بزعم خود انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہونے کو ان کے لیے کسرِ شان خیال کرتے ہیں۔ وہ ان نصوص کی اسی طرح تاویل کرتے ہیں، جس طرح جہمیہ اور باطنیہ نے اسرار اور صفاتِ الہیہ تعالیٰ شانہ کے حقائق سے انکار کرنے کے لیے گھڑی ہیں جن کو تاویل کے بجائے تحریف کہنا نسب معلوم ہوتا ہے۔

غلط توجیہ کی ایک مثال | مشتے نوز از خردار سے وہ یہ کہتے ہیں کہ:

”مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكُمْ مِنْ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كِى لَغْرَشْبَسٍ مَرَادُ هُنَّ اَوْر
وَ مَا تَاَخَّرَ كَا مَفْهُومِ يَهْىَ كَهْمُ تَهَارِى اَمْتِ كَهْ كِنَاہِ بَخْشِ دِىں كَهْ“

یہ توجیہ بالکل غلط ہے اور اس کے متعدد وجوہ ہیں۔

وجوہاتِ سلبہ | یہ آیت بالفاق مفسرین و اہل حدیث صلح حدیبیہ کے موقع پر

(۱) نازل ہوئی ہے لیکن آدم علیہ السلام کا گناہ تو ان کے زمین پر آنے سے پہلے ہی

بخشا جا چکا تھا اور ان کی توبہ قبول ہو چکی تھی جیسے کہ قرآن شریف میں مختلف

جگہوں پر یہ قصہ پڑھنے سے واضح ہو جاتا ہے، فرمایا:

وَ عَصَى آدَمُ مَرْبَّهُ فَخَوَى | آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهَى اِنْفِى پُرْدِگَارِ كَهْ

ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ
(طہ : ۱۲۱، ۱۲۲)

نا فرمانی کی تو وہ بے راہ ہو گیا، پھر اس کے پروردگار نے اسے برگزیدہ کیا، اس کی توبہ قبول کی اور وہ ہدایت پا ہوا

دوسری جگہ ہے :

فَتَلَقَىٰ آدَمَ مِنْ رَبِّهَا
كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ
هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ
(البقرہ : ۳۷)

پھر آدم نے اپنے پروردگار سے چند کلمے سیکھے۔ اللہ نے اس کی توبہ قبول کر لی وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اور قرآن نے بیان کیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے یہ دعا کی :

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا
لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ
(الاعراف : ۲۳)

اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا تو ہم ضرور زیاں کاروں میں سے ہو جائیں گے۔

(۲) علاوہ ازیں آدم علیہ السلام بھی توبی نہیں اور جو لوگ عصمتِ انبیاء کے ان معنوں میں قائل ہیں کہ ان سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا اور اس بارے میں آدم اور محمد علیہما الصلوٰۃ میں کوئی فرق نہیں کرتے اس لیے ان کی اس توجیہ کو ملتے ہوئے بھی دلیل کا زور قائم رہتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے متعدد آیتیں نازل فرما کر اپنا اہل قانون یہ بتایا ہے کہ :

لَا تَنْزِيلُ قَازِرَةٌ وَرِئَاسَ
أُنْحَلَىٰ
کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔

اس لیے سمجھ میں نہیں آتا کہ آدم علیہ السلام یا آپ کی امت کے گناہوں کو کیوں

آپ کی طرف منسوب کیا جائے۔ ارشاد ہوتا ہے:

فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ
مَا حُمِّلْتُمْ
(النور: ۵۴)

اس چیز کا بوجھ اسی پر ہے جس نے اسے
اٹھایا اور تم پر اس کا بوجھ ہو گا جو تم اٹھا
گے۔

اور پھر فرمایا:

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا
تُكَلِّفُ إِلَّا نَفْسَكَ
اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑائی کرو۔ تم اپنے
نفس کے ہی ذمہ دار ہو۔

اگر کسی دوسرے کے گناہ کی ذمہ داری دوسرے پر عائد کرنا جائز ہوتا تو پھر یہ بھی
جائز ہوتا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے سب کے سب گناہ حضرت محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کی طرف منسوب کیے جا سکیں تو پھر کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے
اس فرمان کا ان کے پاس کیا جواب ہے کہ:

لِيُخْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ
مِنْ ذُنُوبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ
اور پچھلے گناہ بخش دیے۔

آپ سے قبل تمام نبیوں اور ان کی امتوں کے گناہوں کا جو بیان ہے تو دراصل
اس سے مراد قیامت کا دن ہے جو آپ سب مخلوقات کے لیے شفاعت
کریں گے آپ بنی نوع انسان کے سردار ہیں جیسا کہ آپ نے فرمایا:

اَنَا سَيِّدُ أَدَمَ وَلَا فَوْقَهُ
أَدَمُ فَمَنْ دُونَهُ تَحْتَ
لَوْ أُنِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا
خَطِيبُ الْأَنْبِيَاءِ إِذَا وَفَدُوا
وَأَمَامَهُمْ إِذَا اجْتَمَعُوا
قیامت کے دن میں بنی نوع انسان
کا سردار ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں
حضرت آدم بھی میرے جھنڈے تلے
میں تمام نبیوں کا خطیب
ہوں گا جب وہ وفد کی شکل میں خدا

کے حضور حاضر ہوں گے اور ان کا امام
ہوں گا۔ جب وہ سب جمع ہوں گے۔

پس اس طرح حضرت آدمؑ کے گناہ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
نسبت کرنے سے کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہ تو اولین و آخرین
سب کے گناہ آپ کے ذمہ لگاتے ہیں اور اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ تمام امتوں
کے گناہ نہیں بخشے گا تو وہ کہیں گے کہ آپ کی تمام امت کے گناہ بھی نہ بخشے گا۔

(۴) اس آیت سے:

وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْبِكَ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
اپنے اور تمام مومن مردوں اور مومن
عورتوں کے گناہوں کی بخشش طلب
کر۔ (محمد: ۱۹)

واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا گناہ امت کا گناہ نہیں اور نہ ہی امت
کے گناہ آپ کی طرف منسوب کیے جاسکتے ہیں ورنہ صرف وَاسْتَغْفِرْ
لِدُنْبِكَ کہنا کافی ہوتا۔ پھر ایک مومن کا گناہ کس طرح آپ کی طرف منسوب کیا
جاسکتا ہے؟

(۵) صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی،

لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ
مِنْ ذُنُوبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ | اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پھلے
سارے گناہ معاف کر دیے۔

تو صحابہ کرام نے آپ کی خدمت میں عرض کیا، یہ تو آپ کے لیے اور ہمارے لیے؟
اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

لِيَدْخُلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
اور عورتوں کو جنت کے باغوں میں

داخل فرمائے گا جن کے درختوں کے
نیچے نہریں بہتی ہیں۔

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
(الفتح: ۵۰)

اور فرمایا؛

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ | اللّٰهُ تَعَالَىٰ مُؤْمِنُونَ كَے دِلُوں مِیْن
فِی قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ | اطمینان اور سکینت آتا ہے تاکہ
لَیْسَ دَاذِقًا اِیْمَانًا مَّعَ | ان کے ایمان میں اور اضافہ ہو۔
اِیْمَانِهِمْ | (الفتح: ۲۷)

اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہم جانتے تھے کہ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ کی آیت آپ ہی کے لیے
ہے اور امت اس کے مفہوم میں داخل نہیں۔

(۶) یہ ایک یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام امت کے گناہ نہیں بخشے ہیں،
لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ مَا نَأْخِرُ سے آپ کی امت کے گناہ مراد ہیں کیوں کہ
آپ کی امت میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جن کو دنیا ہی کی زندگی میں اور نیز
آخرت میں ان کے گناہوں پر مواخذہ اور عذاب ہوتا ہے اور ہوگا۔ صادق
مصدق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بابت خبر دی ہے اور ائمہ سلف کا
اس پر اتفاق ہے اور اس قسم کے واقعات روزمرہ دنیا میں مشاہدہ کیے جاتے
ہیں۔ جن کا شمار اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا، جیسے اس نے کلام مجید
میں فرمایا ہے۔

لَیْسَ بِأَمَانِيكُمْ وَلَا أَمَانِي | اللّٰهُ تَعَالَىٰ كَے احکام اور قوانین نہ تو
أَهْلَ الْكِتَابِ مَنْ يَّعْمَلُ | تمہاری (مسلمانوں کی) آرزوؤں کے
سَوْءًا يُجْزَىٰ بِهِ وَلَا يَجِدُ | تابع ہیں اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں

لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا
 لَا نَصِيرًا ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ
 مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ
 أَنْ أَنْتَ وَهُوَ مُؤْمِنٌ
 فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ
 وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ۝

(النساء : ۱۲۳ ، ۱۲۴)

پر کچھ منحصر ہے (خدا تعالیٰ کا اٹل قانون
 تو یہ ہے) جس شخص نے کچھ بھی برائی
 کی وہ اس کی سزا بھگتے گا اور اللہ تعالیٰ
 کے بغیر کوئی بھی اس کا دوست اور
 مددگار نہیں ہوگا لیکن جس کسی نے
 نیکیاں کیں خواہ وہ مرد ہو یا عورت
 بشرطیکہ وہ مومن ہو تو بے شک یہ
 لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور
 ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

(۴) اس آیت کے مضمون سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ استغفار اور توبہ
 ترکِ افضل پر کی جاتی ہے۔ جو شخص فضیلت کا درجہ حاصل کرتا ہے وہ اپنی
 پہلی حالت سے یقیناً تائب ہوتا ہے لیکن مذمت اور وعید صرف گناہوں
 کے سرزد ہونے پر کی جاتی ہے۔



مقبولیت توبہ اور اعتراف گناہ

مومن موحّد کی مغفرت | سائل نے اپنے استفسار میں یہ بھی دریافت کیا ہے کہ کیا توبہ کی مقبولیت اور گناہوں کی بخشش اور جو پاداش اور تکلیف گناہوں کی وجہ سے صادر ہو چکی ہے، اسے دور کرنے کے لیے صرف گناہ کا اعتراف کر لینا ہی کافی ہے یا کسی اور چیز کی بھی ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص موحّد ہے تو مامور بہ کے طور پر توبہ کر لینا اس کے لیے ہر ایک گناہ کی مغفرت کا موجب ہے۔

مات قابل بخشش گناہ | ساتھ ہی یہ تفصیل بھی یاد رکھ لو کہ شرک کو بغیر توبہ کے اللہ تعالیٰ کبھی نہیں بخشتا اور اس سے کم درجہ کے دوسرے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ سورہ نساء میں دو جگہ یہ آیت آئی ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ

بِهِ وَ يَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ

مَنْ يَشَاءُ (النساء: ۴۸، ۱۱۶)

ان آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شرک سے کم تر درجہ کے گناہ بغیر توبہ کے بھی بخشے جائیں گے لیکن ان کی مغفرت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ مشروط ہے

لہ سوال نمبر ۶ کا جواب یہاں سے شروع ہوتا ہے۔

البتہ توبہ کے ساتھ سب گناہ شرک اور غیر شرک بخشے جاتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ يُعْبَادِي الَّذِينَ اسْرَفُوا
عَلَىٰ انْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا
مِنْ مَّرْحَمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ
يُغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا
إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ
وَإِنِّي بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ
أَسْلِمْتُ إِلَهُهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ
يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ
لَا تُنصَرُونَ
(الزمر: ۵۲، ۵۴)

کہ دو! اسے میرے وہ بند و جنوں نے
اپنے نفسوں پر ظلم کیا، اللہ تعالیٰ کی
رحمت سے یاپوس مت ہونا۔ بیشک
اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دیتا
ہے۔ بے شک وہی بخشنے والا مہربان
ہے اور تم کو چاہیے کہ اپنے رب
کی طرف رجوع کرو (تائب ہو جاؤ)
اور اس کے مطیع ہو جاؤ پیشتر اس
کے کہ تم پر عذاب نازل ہو کیونکہ پھر
تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔

یہاں چونکہ توبہ کے ذریعہ گناہوں کا بخشا جانا مقصود ہے اس لیے تعمیم کی تاکید
فرمائی ہے تاکہ شرک اور غیر شرک سب گناہوں کو شامل ہو۔
مشرک و موحد | ایک دوسری جگہ بھی توبہ کے بعد شرک اور کفر بخشے جانے کی
تصریح فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا آتٍ
يَنْتَهُوْنَ أَيْغُفِرْ لَهُمْ مِمَّا قَدْ
سَلَفَ
(الانفال: ۳۸)

ان لوگوں سے کہہ دو جنہوں نے کفر
اختیار کیا، اگر وہ باز آجائیں تو جو کچھ
پہلے ہو چکا ہے وہ ان کو بخش دیا
جائے گا۔

الغرض ایک موحد شخص جو گناہ کا اعتراف کرتا ہے اگر اس کا یہ اعتراف توبہ
کی شرط پر مشتمل ہے تو یقیناً اس کے گناہ بخشے جائیں گے جب گناہ بخشے گئے

تو عقوبت بھی ٹل جاتی ہے کیونکہ مغفرت کے معنی ہی گناہوں کی برائی سے بچانا ہے تاکہ گناہوں کی عقوبت نہ بھیلنی پڑے اور سزا نہ ملے۔

معافی لفظِ مغفرت | بعض علماء کا قول ہے کہ مغفرت کے معنی پردہ پوشی کے ہیں، اس لیے اس کا نام مغفرت رکھا، لیکن غفار کے معنی ہیں گناہوں پر پردہ ڈالنے والا۔ اس سے مغفرت کا پورا مفہوم ظاہر نہیں ہوتا، اسی لیے اللہ تعالیٰ کا اسمِ حسنہ غفار ہے۔ کیونکہ وہ ستار ہے کہ پردہ پوشی کرتا ہے اور یہ مغفرت کے معنوں کی تقصیر ہے۔ کیوں کہ مغفرت کے معانی گناہ کے شر سے اس طرح بچائے جانے کے ہیں کہ ان پر عقوبت نہ ہو تو جس کے گناہ بخشے گئے اسے عذاب نہ ہوگا، لیکن ستر یعنی پردہ ڈالنے کی حالت میں یہ ممکن ہے کہ در پردہ باطن میں اس پر عقاب یا عتاب نازل ہو جس کے بالفاظ دیگر یہ معنی ہیں کہ گناہ کا اثر زائل نہیں ہوا۔ البتہ یہ اور بات ہے کہ باوجود مغفرت کے کسی کو آزمائش میں ڈالا جائے تاکہ اس کے لیے اجرا اور ثواب کی زیادتی کا موجب ہو۔ یہ مغفرت کے معافی نہیں۔

اسی طرح بعض گناہوں کے پورے طور پر بخشے جانے کے لیے خاص نیکوں کا بجالانا ضروری ہوتا ہے۔ یہ توبہ کے مفہوم میں داخل ہے اور اسی طرح ہم نے مغفرت کے لیے اعتراف کے ساتھ توبہ کی شرط لگا دی ہے۔

تائب اور تارک میں فرق | ایک اور نکتہ بھی قابل ذکر ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض اوقات انسان اپنے آپ کو تائب خیال کرتا ہے حقیقت میں وہ تائب نہیں بلکہ وہ تارک ہوتا ہے لیکن تارک گناہ اور تائب از گناہ میں بہت بڑا فرق ہے، بعض اوقات اس لیے آدمی گناہ کے ارتکاب سے بچتا رہتا ہے کہ گناہ کا تصور اس کے دل میں نہیں آیا ہوتا، یا اس کے ارتکاب میں وسائل کا ہونا شگ راہ ہو جاتا ہے یا اس کے چھوڑنے کا باعث اللہ تعالیٰ کی خوشنودی نہیں بلکہ کوئی اور غرض ہوتی ہے اس لیے

اس طرح گناہ کے ارتکاب سے بچا رہتا ہے اور اس گناہ کا نہ کرنا تو بہ نہیں کہلاتا بلکہ تو بہ کے تو یہ معنی ہیں کہ وہ گناہ کو برائی سمجھے اور کسی فعل کی برائی کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس لیے ارتکاب کو ناپسند خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس کو چھوڑ دینے کا باعث صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا خیال ہو کسی مخلوق کی بیم و امید اور کسی نسانی غرض کا اس میں دخل نہ ہو، کیونکہ تو بہ ایک عظیم الشان نیکی ہے اور ہر ایک نیکی میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابندی اور اخلاص سب سے پہلی شرط ہے۔ جیسے کہ فضیل بن عیاض نے آیت "لِيَتَّبِعُوا كَمَا أُنزِلُكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا" (الملک: ۳) کی تفسیر میں یہ فرمایا ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ تم کو آزمانا چاہتا ہے اور دیکھنا چاہتا ہے کہ تم میں سے کون ٹھیک اور خالص عمل بجالاتا ہے"

حاضرین نے دریافت کیا ٹھیک اور خالص عمل کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ:

ان العمل اذا كان خالصا	جب کوئی عمل خالص ہو لیکن ٹھیک
ولم يكن صوابا لم يقبل	نہ ہو تو وہ مقبول نہیں ہوتا، اسی طرح
اذا كان صوابا ولم يكن خالصا لم يقبل	اگر ٹھیک ہو لیکن خالص نہ ہو تو بھی
حتى يكون خالصا وصوابا	مقبول نہیں ہوتا۔ جو عمل خالص بھی
والخالص ان يكون لله	ہو اور ٹھیک بھی ہو، وہی مقبول ہوتا
والصواب ان يكون على السنة	ہے اور خالص عمل وہ ہے جو صرف
	اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے
	اور ٹھیک وہ ہے جو سنت کے طریقہ
	پر کیا جائے۔

اس لیے میں نے ٹھیک اور خالص کی شرط لگائی ہے۔

حضرت عمر اپنی دعائیں کہا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ اجْعَلْ عَمَلِي كُلَّهُ	يا الله! میرے تمام اعمال نیک اور
صَالِحًا وَاَجْعَلْهُ لِرَوْحِيكَ	اپنے لیے خالص بنا دے اور اسے
خَالِصًا وَلَا تَجْعَلْ لِأَحَدٍ	اعمال میں کسی قسم کی برائی اور بد عملی
فِيهِ سَيِّئًا	کا دخل نہ ہونے دے۔

نوٹ: توبہ کی مفصل بحث کسی دوسرے جگہ درج ہے۔

معفرت کا یقینی ذریعہ | لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے اپنے آپ کو عاجز جانتا ہے اور اس لیے وہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے اور مغفرت طلب کرتا ہے مگر اس گناہ کو چھوڑتا نہیں تو ایسے شخص کے لیے مغفرت یقینی نہیں کیونکہ اس کی حیثیت تائب کی نہیں بلکہ ایک ایسے سائل اور دعا کرنے والے کی ہے جو گناہ سے بخشش تو مانگتا ہے مگر اس سے توبہ نہیں کرتا۔ اس کی بات صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث موجود ہے:

ما من داع يدعو بدعوة	جو شخص کوئی ایسی دعا کرے اور کسی ایسی
ليس فيها اثم ولا طبيعة	چیز کا سوال کرے جس کا حصول گناہ
مرحم الا كان بين احدكم	اور قطع رحم نہیں تو اس کے ساتھ
ثلث امان يجعل له	اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سلوک ہوتا
دعوة و امان يدخر	ہے کہ یا تو بعینہ اس کا سوال منظور
له من الجزاء مثلها و امان	کر لیا جاتا ہے یا آخرت میں اس کو
ان يصون عنه من	جزا دی جاتی ہے یا وہ اس دعا کی
الش مثلها قالوا يا	بدولت کسی شر اور مصیبت سے
سوال الله اذا انكش	محفوظ رہتا ہے۔ صحابہ نے کہا،

قال الله اكث
 الشكر رسولهم زياده دعائهم کیا
 کریں، آپ نے فرمایا الشکر کے پاس
 بہت زیادہ ہے۔

الغرض اسی طرح بغیر سچی توبہ کے مغفرت طلب کرنا ایک دعا ہے جو عام دعاؤں
 کی طرح ہو جب حدیث مذکورہ بالا کے خیر و برکت کا وہ جب ضرور ہے لیکن ضروری
 نہیں کہ اس کو مغفرت دی جائے۔ مغفرت تبھی حاصل ہو سکتی ہے جب سچی
 توبہ ہو۔

پس اس سے تم نے سمجھ لیا ہو گا کہ بعض علماء کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ گناہ پر
 مداومت کرنے کے باوجود مغفرت طلب کرنا جھوٹوں کی توبہ ہے۔ البتہ اگر کوئی
 شخص اس کو توبہ سمجھتا ہے تو بے شک وہ جھوٹا ہے کیونکہ کوئی شخص تائب نہیں
 کہلا سکتا جب تک وہ گناہ کو ترک نہ کر دے۔ توبہ اور گناہ پر اصرار دونوں
 ضدیں ہیں۔



گناہوں کا استحضار اور مقبولیتِ توبہ

ترک اور ارتکابِ گناہ | ساکن نے اپنے سوال میں یہ بھی دریافت کیا ہے کہ کیا کسی ایک گناہ کا اعتراف کر لینا اور اس سے تائب ہو جانا اس تمام عقوبت سے محفوظ رہنے کا موجب ہو سکتا ہے جس کا وہ متعدد گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے مستوجب ہے یا تمام گناہوں کا استحضار ضروری ہے؟ اس کا جواب چند اصولوں پر مبنی ہے۔

پہلا اصول | یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایک گناہ سے سچی توبہ کر لے اور دوسرے کے ارتکاب میں مشغول رہے۔ تب بھی یہ توبہ مقبول ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ابھی صرف ایک ہی گناہ کا تقاضا توبہ کے لیے زیادہ قوی تھا یا گناہ کا ایک ہی مانع زیادہ شدید تھا، اہل سنت کے سلف اور خلف کا یہی قول مشہور ہے۔ لیکن ابو ہاشم معتزلی اور متکلمین کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ:

”اس قسم کی توبہ صحیح نہیں، کیونکہ تائب نے دوسرے ذنوب ترک نہیں کیے اور اس کی توبہ کا محرک اور باعث اگر خدائے تعالیٰ کا ڈر اور خشیت ہوتی جس کے بغیر توبہ درست نہیں ہو سکتی، تو وہ دوسرے ذنوب میں مشغول نہیں رہ سکتا، اس لیے کہ خدائے تعالیٰ کا ڈر سب گناہوں سے یکساں طور پر روکتا ہے“

قاضی ابوالعالی اور ابن عقیل نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہی قول نقل کیا

ہے لیکن امام احمد کا مشہور قول پہلے قول کے مطابق ہے اور سلف میں سے کسی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔

ابو ہاشم کی دلیل کا جواب | ابو ہاشم وغیرہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات کسی ایک گناہ کی شدید قباحت انسان کے دل نشین ہو جاتی ہے اور دوسرے گناہوں کی قباحت کا تصور اس کے دل میں اتنا شدید نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ اس ایک گناہ سے تائب ہوتا ہے اور دوسرے گناہوں کے ارتکاب سے باز نہیں رہتا۔ اس کی مثال بعینہ ایسی ہے کہ کوئی شخص بعض فرائض تو بجالائے لیکن بعض دوسرے فرائض کا تارک ہو اور اس میں شک نہیں کہ دوسرے فرائض کا ترک کرنا اس کے لیے پہلے فرائض کی مقبولیت سے مانع نہیں، جن کو وہ بجالاتا ہے، نیز ممکن ہے کہ ایک ہی فریضہ دیگر فرائض کی بجائے اور ہی کا موجب بن جائے۔

معتزلہ اور اہل کبار | مگر معتزلہ نے اپنے نزدیک ایک فاسد اصول مقرر کر رکھا ہے جس کو انہوں نے خارجیوں سے اخذ کیا ہے کہ وہ کافر اور گنہگار میں فرق نہیں کرتے اور کہتے ہیں؛

ان اصحاب الکبائر یخلدون | کبار کا ترکیب ہمیشہ دوزخ میں
فی النار ولا یخرجون | رہے گا اور اس کے حق میں کوئی
منہا بشفاعۃ ولا عینہا | شفاعت وغیرہ کارگر نہیں ہو سکتی

ان کے نزدیک یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ عذاب دے اور پھر اس کو جنت میں داخل کرے اور اپنی رحمت اور عنایات کا مورد بنائے کیونکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ؛

یقولون بحسوط جمیع | کبیرہ کے ارتکاب سے تمام نیکیاں
الحسنات بالکبیرۃ | برباد ہو جاتی ہیں۔

سلف کا اعتقاد لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اہل سنت والجماعت کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اہل کبائر جنت میں داخل ہو سکتے ہیں ان کے حق میں شفاعت قبول ہو سکتی ہے اور کبیرہ کا ارتکاب تمام نیکیوں کو برباد نہیں کرتا۔ تمام نیکیاں صرف کفر سے برباد ہوتی ہیں جیسے کہ تمام برائیاں توبہ سے زائل ہو سکتی ہیں اور کبیرہ کا مرتکب اگر صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے نیکیاں کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ان اعمال صالحہ کی جزا دے گا اگرچہ وہ ارتکاب کبیرہ کی وجہ سے عذاب کا بھی مستوجب ہے۔ قرآن کریم میں زانی، سارق اور قاتل کو بطحاظ احکام شرعیہ کافر سے الگ صنف قرار دیا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات متواتر طور پر منقول ہے اور جس پر صحابہ کرام نے اجماع کیا، وہ اسی قول کی تائید میں ہے۔ جیسا کہ کسی دوسری جگہ بالتفصیل بیان ہے۔

قبولیت اعمال اور القار انہی اقوال کی بنا پر اس آیت شریفیہ کی تفسیر میں مختلف اقوال مروی ہیں کہ:

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ
الْمُتَّقِينَ (المائدہ: ۲۷) | بیشک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے
اعمال ہی قبول فرماتا ہے۔
خوارج اور معتزلہ کا یہ قول ہے کہ:

”کوئی نیکی بارگاہ کبریٰ تعالیٰ و تقدس میں قبولیت کا درجہ حاصل نہیں کرتی جب تک اس کا کرنے والا کامل متقی نہیں۔ یعنی کسی کبیرہ کا مرتکب

نہ ہو“

مرجیہ کہتے ہیں:

”متقی وہ ہے جو شرک سے اجتناب کرے۔ ان کے نزدیک

اہل کبائر بھی متقی کے مفہوم سے باہر نہیں۔“

لیکن اہل سنت والجماعت کی تحقیق یہ ہے کہ:

”ایک ایسا عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے جس کے کرنے میں تقوے کے مفہوم پر عمل کیا گیا ہو یعنی اس کا وہ عمل اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی تعمیل کے موافق ہے اور اس کے کرنے کی غرض محض اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے سوا کچھ نہ ہو۔“

الغرض جو کوئی کسی عمل صالح کے بجالانے کے دوران میں اس عمل کے متعلق متقی ہے وہ عمل اس کا مقبول ہے چاہے کسی دوسرے عمل کے لحاظ سے وہ غیر متقی ہو لیکن اگر اس نے کسی نیکی کے کرنے میں تقوے کے مفہوم پر عمل نہیں کیا تو وہ عمل اس کا مقبول نہیں، چاہے وہ دوسرے امور میں اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار ہو۔“

خلاصہ یہ ہے کہ کسی ایک گناہ کی توبہ بھی مقبول ہے خواہ دوسرے گناہ کا مرتکب بنا رہے۔ مقبولیت کے لیے ایمان ناگزیر ہے البتہ ایمان کا وجود سب اعمال کی مقبولیت کے لیے ناگزیر شرط ہے۔ کلام مجید میں ہے:

وَمَنْ أَمَرَادَا الْآخِرَةَ وَأَسْعَىٰ لَهَا سَعِيًّا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعِيَّهُمْ مَشْكُورًا ۝	جو شخص آخرت کا طالب ہے اور اس کے لیے اس کے مناسب حال کوشش بھی کرتا ہے تو ایسے لوگوں کی کوشش ضرور ٹھکانے لگے گی، بشرطیکہ وہ مومن ہوں۔
--	--

(بنی اسرائیل: ۱۹)

اسی طرح یہ آیت پہلے گزر چکی ہے کہ:

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ	جس مومن مرد یا عورت نے نیک
مِنْ ذِكْرِ أَوْ أُنْتَهَىٰ وَهُوَ ...	اعمال کیے، پس ایسے لوگ جنت

مُوْسٍ فَاوْلٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ | میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرہ بھر
 الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا | بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔
 الغرض قرآن کریم کی آیات کے تتبع سے تم کو معلوم ہو گا کہ جا بجا اعمال صالحہ
 کی مقبولیت اور ان پر جزا ملنے کے لیے ایمان کی شرط لگائی گئی ہے اور کفر کو تمام نیکیوں
 کا برباد کرنے والا قرار دیا ہے۔ کلام مجید میں ہے:

وَمَنْ يُّنْتَهَ عَنْهُ | جو کوئی تم سے اپنے دین سے پھر جائے
 دِيْنِهٖ فَيَمُتْ | اور پھر وہ کافر ہو کر مرے تو اس کے
 فَاوْلٰٓئِكَ حَبِطَتْ | تمام اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت
 فِي الدُّنْيَا وَالْآٰخِرَةِ | گئے اور یہ لوگ دوزخ میں داخل
 اُوْلٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ | ہو کر اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

فَمَنْ فِيْهَا خٰلِدٌ وَّ | (البقرہ: ۲۱۷)

بخشش بوجہ قبول اسلام | دوسرا اصول یہ ہے کہ جو شخص متعدد گناہوں سے کا
 مرتکب ہے تو اگر وہ بعض گناہوں سے تائب ہو جائے اور دوسرے گناہوں پر مُصْرَفٌ
 رہے تو صرف اس کا وہی گناہ بخشا جائے گا جس سے اس نے توبہ کی اس کے
 دوسرے گناہوں کا وہی حکم ہے جو غیر تائب کا ہوتا ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے،
 اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ البتہ ایک شخص جو پہلے کافر تھا اور اب مسلمان ہو
 گیا ہے اس کی بابت اختلاف ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ کفر کی حالت میں اس نے
 جتنے گناہ کیے تھے وہ سب بخشے گئے۔ کلام پاک میں ہے:

قُلْ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ | کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ باز
 يَنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا | آجائیں تو ان کے گزشتہ گناہ بخشے
 قَدْ سَلَفَ | (الانفال: ۳۸) جائیں گے۔

صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ :

أَوْ سَلَامٌ يَهْدِمُ مَا كَانَ
قَبْلَهُ | عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔
اسلام قبول کرنے سے کفر کی سابقہ

ترکِ ارتکاب پر جزا | لیکن بعض دوسرے علماء کا یہ قول ہے کہ اسلام کی بدولت صرف وہی گناہ بخشے جاتے ہیں جن کا ارتکاب اس نے ترک کر دیا ہے۔ برخلاف اس کے جن کبائر کا وہ بعد از اسلام بھی ارتکاب کر رہا ہے ان کی بابت اس کا وہی حکم ہے جو دوسرے مرتکبین کبائر کا ہے۔ اصولِ شرعیہ اور قرآن و حدیث کے نصوص یعنی تصریحات اسی قول کی تائید میں ہیں اور آیت قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ حَسَنَاتِهِمْ لِقَاءٌ كَمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ہے اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ :

”جن گناہوں کے ارتکاب سے وہ باز آجائیں تو اس سے پہلے ان گناہوں کا جتنا بھی انہوں نے ارتکاب کیا ہے وہ معاف کیا جائیگا۔“
محاورہ بھی یہی ہے کہ کسی سے کہا جائے اگر تم باز آ جاؤ تو تمہارا گزشتہ قصور معاف کر دیا جائے گا تو اس کے بلاشبک و شبہ یہی معنی ہوتے ہیں کہ اگر تم اس امر کو جس کا تم ارتکاب کرتے ہو، ترک کر دو تو گزشتہ ارتکاب کی بابت تم پر مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہوتے کہ تمہارے دوسرے گناہ اور دوسری تقصیریں بھی معاف کر دی جائیں گی۔

اعمالِ جاہلیت کا مواخذہ | صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ حکیم بن حزام نے آپ سے استفسار کیا کہ جو اعمال ہم نے جاہلیت میں کیے تھے کیا ان کی بابت بھی ہم پر مواخذہ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا :

من احسن منکم فی | جس نے اسلام میں اپنی حالت کو

<p>اچھا بنالیا اس پر اعمال جاہلیت کی بابت کچھ مواخذہ نہیں ہوگا لیکن جس نے اسلام کی حالت میں بھی برائیاں کیں۔ اس پر اگلے پھلے گناہوں کا مواخذہ ہوگا۔</p>	<p>الاسلام لمرین اخذ بما عمل فی الجاہلیۃ و من اساء فی الاسلام اخذ فی الاول والاخر</p>
---	---

اس حدیث نے نہایت صاف الفاظ میں مؤخر الذکر قول کے حق میں فیصلہ
فرمادیا ہے الاسلام یمہدم ما کان قبلہ میں چونکہ ایک گونہ اجمال ہے،
اس لیے اس حدیث کو اس کے لیے بمنزلہ تفسیر اور بیان کے سمجھنا چاہیے۔

توبہ مطلق اور توبہ عام و خاص

عُفْرَانِ الذُّنُوبِ كُلِّمٍ | تیسرا اصول یہ ہے کہ بعض اوقات انسان خاص خاص گناہوں
کا استحضار کرتا ہے یعنی اپنے دل میں ان کا تصور باندھتا اور ان سے تائب ہوتا
ہے اور بعض اوقات مطلق توبہ کرتا ہے مگر ذنوب کا استحضار کچھ بھی نہیں کرتا بلکہ
اس کی نیت عام گناہوں سے توبہ کرنے کی ہوتی ہے۔ کیونکہ عام گناہوں سے تائب
ہونے اور عام توبہ کے یہ معنی ہیں کہ اس نے اس بات کا پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ وہ
ہر ایک ماسور کو عمل میں لائے اور ہر ایک ممنوع اور منہی عنہ کو چھوڑ دے اور اس
کے ضمن میں تمام گناہوں کے متعلق ایک عام ندامت پائی جاتی ہے، جیسا کہ مسند

لہ ندامت کی مختلف اقسام ہیں کے اعتقادات، ارادت اور آلام کے ایذا ر لذات و خطوط مانند غم و حزن اور فرح
دسر و نفس انسانی کو لاحق ہوتے ہیں، اس کا احساس کرایا جاتا ہے جو ترک کر دیا ہے۔

میں ابن مسعود کی ایک روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الندم توبۃ | ندامت بھی ایک قسم کی توبہ ہے۔

جب ظاہر ہو جائے کہ تائب جو عام توبہ کرتا ہے تو ایسی توبہ سے تمام گناہ بخشے جاتے ہیں، اگرچہ ہر ایک گناہ کا جدا گانہ تصور ذہن میں نہ ہو لیکن اگر اس عام توبہ کے خلاف واقع ہوگی تو توبہ خاص کہلائے گی۔

کو نسا گناہ عام توبہ سے نہیں بخشا جاتا | البتہ اگر کوئی ایسا گناہ ہے کہ اگر وہ اس کے ذہن میں مستحضر بھی ہو جاتا تو وہ اس سے تائب نہ ہوتا کیونکہ اس گناہ کے چھوڑنے کی بابت ابھی اس کے دل میں عزیمتِ راسخہ پیدا نہیں ہوئی جو اس کو آمادہ عمل کرے یا وہ ایک ایسا گناہ ہے جس کو بزعم خود قبیح سمجھتا ہی نہیں تو اس قسم کا گناہ عام توبہ کے ضمن میں نہیں آتا اور جب تک خصوصیت کے ساتھ اس گناہ سے توبہ نہ کرے، اس کے بخشے جانے کی یقینی توقع نہیں کی جاسکتی کیونکہ یقینی مغفرت کا ذریعہ صرف توبہ مقبولہ ہے اور بس۔

عام توبہ اور مجمل توبہ | لیکن اگر کوئی شخص ہر ایک گناہ سے توبہ کرنے کا التزام نہیں کرتا مگر کسی گناہ کی تخصیص بھی نہیں کرتا تو اس قسم کی توبہ "توبہ مجمل" کہلاتی ہے اور اس کے مفہوم میں سب گناہ داخل نہیں سمجھے جاتے اور اس لیے وہ عام مغفرت کا موجب بھی نہیں قرار دی جاسکتی، توبہ عامہ اور توبہ مجمل کا فرق ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ کیوں کہ ہر ایک کا حکم جدا گانہ ہے۔

صفتِ حقائقِ ایمانیہ | اکثر لوگ توبہ کرتے وقت (خواہ ان کی توبہ عام بھی ہو) فقط بعض فحش گناہوں کا استحضار کرتے ہیں یا ہاتھ اور زباں سے صادر شدہ گناہ ان کے پیش نظر ہوتے ہیں حالانکہ وہ ظاہر یا باطن میں ایسے مامورِ شرعی کا تارک ہوتا ہے جس کا بجالانا اس پر فرض ہے اور وہ حقائقِ ایمانیہ کا ایک ایسا اہم شعبہ ہوتا ہے

جس کا ترک کرنا ان فواحش کے ارتکاب سے بہت زیادہ مضمر ہوتا ہے، جن کا تصور اس کے ذہن میں ہے، اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ جن حقائق ایمانیہ کے ساتھ موصوف ہونے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور جن کی بددلت انسان سچے مومنوں کے زمرہ میں داخل ہوتا ہے وہ بعض ظاہری گناہوں کے ترک کر دینے سے بہت زیادہ نافع ہوتا ہے۔

اللہ اور رسول کی محبت مثلاً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت سے دل کو معمور رکھنا اعمال حسنہ کی عظیم ترین نیکی ہے۔ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک صحابی تھا جو حمار کے لقب سے مشہور تھا۔ وہ اکثر شراب پیا کرتا تھا چنانچہ کئی مرتبہ اس کو شراب پیتے پکڑا بھی گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شراب نوشی کی سزا دی۔ ایک شخص نے اس کی یہ حالت دیکھ کر کہا کہ:

”اس پر خدا کی لعنت ہو، کتنی دفعہ سزا یاب ہوا، پھر بھی اپنی

کرتوت سے باز نہیں آتا۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

لا تلعنہ نانه یحب | اس پر لعنت نہ کرو، وہ اللہ اور
اللہ ورسولہ | اس کے رسول سے محبت کرتا ہے

تم جانتے ہو کہ شراب کے پینے والے اور نچوڑنے والے پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے لیکن ایک ایسے شخص پر جو پکائے نوش ہے، صرف اس کے لیے لعنت بھیجنے سے منع فرمایا کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت موجود ہے۔

اسی طرح جو آیتیں اور حدیثیں مطلق تکفیر اور مطلق وعید کے مضمون پر مشتمل ہیں وہ بعض شرائط کے ہونے اور بعض موانع کے نہ ہونے کے ساتھ مشروط

ہیں۔ مثلاً جو شخص کسی گناہ سے تائب ہو جائے اس کے لیے وعید نہیں۔ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے، یا مثلاً جس شخص کی نیکیاں اس قدر زیادہ ہوں کہ اس کے گناہوں کو مٹا دینے کے لیے کافی ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔

عقوبت ٹل جانے کے اسباب جن گناہوں کے ارتکاب پر دوزخ کی سزا مقرر

ہے۔ اس عقوبت کے ٹل جانے کے متعدد اسباب ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں

سچی توبہ — کثرتِ اعمالِ صالحہ — اس دنیا کے مصائب

اور شدائد میں مبتلا ہونا — برزخ اور میدانِ قیامت کی سختیاں

نیز مومنوں کی دعا — اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت

یہ سب ایسے اسباب ہیں جو اعمالِ سیئہ کی کفارت کا باعث اور خدا کی مغفرت کا موجب ہوتے ہیں۔

ہر کیف اگر توبہ کسی خاص گناہ سے کی گئی ہے یا توبہ محل ہے تو اس سے عام مغفرت کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، برخلاف اس کے توبہ عام سے سب گناہ بخشے جاتے ہیں لیکن اکثر لوگ توبہ عام نہیں کرتے، حالانکہ ہر ایک شخص کو اس کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہر ایک شخص کم و بیش ماموراتِ شرعیہ کے بجالانے میں کوتاہی کرتا ہے اور بعض منہیات کا ظاہر یا باطن میں مرتکب ہوتا ہے، اس لیے ہر ایک شخص پر ہر ایک حالت میں توبہ کرنا لازم ہے۔ کلام پاک میں ہے،

وَأْتُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا	اے مومنو! تم سب کے سب
أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ	اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرتے ہوئے
تُفْلِحُونَ	پھر آؤ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم فلاح
(النور: ۳۱)	پاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنے کا طریقہ

مفہوم توحید ربوبیت | سائل کا آخری استفسار یہ ہے کہ اس میں کیا راز ہے کہ مصیبت تب دور ہوتی ہے جبکہ آدمی تمام لوگوں سے اپنی امید کا رشتہ منقطع کرے اور مخلوقات سے اپنی امید قطع کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ رشتہ جوڑنے کی تدبیر کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی تدبیر توحید ربوبیت اور توحید الوہیت دونوں قسم کی توحید پر ثابت قدم رہنا ہے۔ توحید ربوبیت کا مفہوم یہ ہے کہ ایک اللہ تعالیٰ کو تمام اشیاء کا خالق اعتقاد کرے اور یہ کہ اس کے بغیر کوئی بھی قدرت نہیں رکھتا کہ کوئی بات باسقلال اس سے ظہور میں آئے، بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہو سکتا، اس لیے سوائے اللہ تعالیٰ کے جو کوئی بھی ہو اگر بالفرض کسی بات کے ظہور میں آنے کا اس کو سبب مانا جائے، تب بھی وہ اس کے انجام دینے میں کسی معاون کا بالفرض محتاج ہوگا اور لامحالہ اس کا کوئی ایسا ضد اور شریک بھی ہوگا جو اس کو اپنے ارادے کی تنفیذ سے روک سکے، اس لیے اپنی مرادیں اور اپنی حاجتیں صرف اللہ تعالیٰ سے مانگنا چاہیے۔

افعال اختیار یہ میں عجز انسانی | سوائے اللہ تعالیٰ کے دوسروں کی بے بسی کی تو یہ کیفیت ہے کہ جو افعال اختیار یہ کہلاتے ہیں ان کے کرنے میں بھی انسان مستقل نہیں بلکہ سراسر اللہ تعالیٰ کی اعانت کا محتاج ہے۔ جب تک وہ اس کے دل میں عزم راسخ

پیدا کرے، جو انسان کو آواز عمل کرتا ہے اور بعد ازاں اس کے اعضاء اور جوارح میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ قدرت موجود نہ ہو جو حدوٹ فعل کے لیے شرط ہے۔ اس وقت تک کسی فعل کا ظہور میں آنا ناممکن ہے اس لیے یہ کہنا کہ:

مَا شَاءَ اللَّهُ وَكَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ
 اور جو نہ چاہے وہ کبھی نہیں ہو سکتا | اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے سو ہوتا ہے
 اپنے وسیع ترین معنوں میں بالکل درست ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،
 لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ
 یہ تم میں سے اس شخص کے لیے ہے | جو راست روی چاہتا ہے تم نہیں
 چاہو گے مگر جب اللہ چاہے جو تمام
 الْعَالَمِينَ (التکویر: ۲۸، ۲۹) جانوں کا پروردگار ہے۔

اور دوسری جگہ فرمایا:

فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا
 جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ
 وَإِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ إِنْ اللَّهُ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا
 اختیار کرے تم کچھ نہیں چاہو گے مگر جب اللہ تعالیٰ چاہے۔ بے شک
 اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔
 مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا
 جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے اور ظالموں کے لیے دروینے
 وَاللَّهُ يَسْتَقِيمُ (الدھر: ۲۹، ۳۱) والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

سب سے بڑی دولت جو شخص اپنے جیسی مخلوق سے کسی مراد کا طالب ہے وہ ایک عاجز کے سامنے دستِ نیاز پھیلا کر اپنے آپ کو مفت میں ذلیل کرتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادًا أَمْثَلَكُمْ
 (الاعراف: ۱۹۴)

بے شک جن کو تم اپنا حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح خدا کے محتاج بندے ہیں۔

یہ ایک ایسا شرک ہے جس کو اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں فرماتا۔ فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ
 (النساء: ۴۸، ۱۱۶)

بے شک جس کسی نے شرک کیا، اللہ تعالیٰ اسے ہرگز نہیں بخشنے گا۔ ہاں اس کے سوائے جسے چاہے گا بخش دے گا۔

عرفان الوہیت | دوسری تدبیر توحید الوہیت کی حقیقت پر کار بند ہونا ہے جس کا مفہوم پہلے بھی بیان ہو چکا ہے یعنی صرف اللہ تعالیٰ سے کامل محبت رکھنا، اسی کا حکم ماننا، اسی کی ذات پر بھروسہ کرنا، اپنی بیم و امید کا مرکز اسی کو قرار دینا، اسی سے اپنی حاجتوں کے لیے سوال کرنا اور اسی کے آگے سر جھکانا وغیرہ وغیرہ۔

اب اگر کوئی شخص دونوں قسم کی توحید پر ثابت قدم رہے تو زہے سعادت! یہ شخص دنیا اور آخرت میں نہایت خوش قسمت انسان ہے۔ لیکن اگر وہ اس قسم کا آدمی ہے جس کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ:

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهِ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَنْ لَمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ هُنَا مَسَّهُ
 (یونس: ۱۱۲)

جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ لیٹے ہوئے اور بیٹھے اور کھڑے ہمیں پکارتا ہے لیکن جب ہم اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو وہ اس طرح گزرا پہلا جاتا ہے گویا اس نے کبھی کسی تکلیف کو دور کرنے کے لیے

ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔

یا وہ ان اشخاص میں سے ہو جس کا بیان اس آیت میں ہے:

<p>جب تمہیں سمندر میں تکلیف پیش آتی ہے تو جن کو تم پکارا کرتے ہو، وہ سب بھول جاتے ہیں اور صرف خدا کی طرف رجوع کرتے ہو لیکن جب وہ تم کو نجات دے کر خشکی پر لا تہے تو تم روگردانی کرتے ہو۔ اور انسان ہے ہی روگردانی کرنے والا۔</p>	<p>وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا أَيَّا هُمْ فَلَمَّا نَجَّيْنَاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا</p>
--	---

(بنی اسرائیل: ۶۷)

ایسے آدمیوں کے لیے ان کا اعتراف توحید ایک حجت ہے جو قیامت کے دن ان کے برخلاف فیصلہ دلانے کا موجب ثابت ہوگی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ان مشرکین کو جو صرف توحید ربوبیت کے قائل تھے اور توحید الوہیت کے مقتضی پر عمل پیرا نہیں تھے، ان کے اپنے اقرار اور تسلیم کی وجہ سے انہیں جھوٹا مٹھرایا جائے گا۔ ارشاد ہوتا ہے:

<p>دلے نبی! ان منکروں سے پوچھیے اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ کہ زمین اور تمام مخلوقات جو اس میں ہے کس کے لیے ہے؟ وہ فوراً کہیں گے، اللہ کے لیے۔ پھر آپ فرمائیں، کیا تم عوز نہیں کرتے؟ آپ ان سے پوچھیں وہ کون ہے جو سارے آسمانوں کا</p>	<p>قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا</p>
--	---

تَتَّقُونَ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ
مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَ قَا
يُحْيِيهِ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ
كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ
بِاللّٰهِ قُلْ فَاَنى تُسْحَرُونَ

پروردگار ہے اور جہانداری کے عرشِ عظیم
کا مالک ہے؟ وہ کہیں گے یہ سب
کچھ اللہ ہی کے لیے ہے۔ پھر آپ
فرمائیں تمہیں کیا ہو گیا کہ شرک کے
نتیجے سے نہیں ڈرتے، آپ ان سے
پھر پوچھیں وہ کون ہے جس کے قبضہ
میں تمام چیزوں کی بادشاہی ہے اور
وہ سب کو پناہ دیتا ہے اور کوئی نہیں
جو اس کے اوپر پناہ دینے والا ہو، وہ
کہیں گے یہ صفتیں تو اللہ ہی کے لیے
ہیں، آپ فرمائیں، پھر تم پر کون سا
جادو کیا گیا ہے کہ راہِ حق سے منحرف
ہوئے جاتے ہو؟

(المومنون: ۸۴ تا ۸۹)

اور فرمایا،

وَ لَيْعُنَّ سَأَلْتَهُمْ مَنْ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْ
وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ
لِيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَاَنى
تُؤْفَكُونَ

اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور
زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج
اور چاند کو کس نے مطیع بنایا تو وہ
ضرور اس کے جواب میں کہیں گے
کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا۔ کہہ دو! کہ پھر
تم کیوں پھرے جاتے ہو؟

(العنكبوت: ۲۱)

یہ یعنی توحید پر بوسیت کا اعتراف کرتے ہوئے کیوں توحید الوہیت پر عمل پیرا نہیں ہوتے حالانکہ یہ دونوں
لازم ملزوم ہیں

الغرض قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہ مضمون دوہرایا گیا ہے۔
نزول مصائب، نعمت عظمیٰ | حقیقت میں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ وہ اپنے
 مومن بندوں پر مصائب اور شدائد نازل فرماتا ہے، جن کی بدولت وہ توحید پر پائل
 ہونے اور خاص اللہ تعالیٰ کو پکارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس حالت میں ان کی بیم و امید
 کا مرجع اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہوتی ہے۔ ان کے دلوں میں توکل اور انابت پیدا ہوتی
 اور شرک سے بیزار ہو کر ان کے قلوب نورِ ایمان کے ساتھ معمور ہوتے ہیں اور یہ ایک
 نعمت عظمیٰ ہے جو مرض اور خوف کے زوال اور فراخیِ رزق کے حصول سے بدرجہا بڑھ کر
 ہے۔ کیونکہ مرض اور مصیبت کا زوال اور فراخیِ رزق وغیرہ جسمانی راحتیں اور دنیاوی خوشیاں
 ہیں جو کافروں کو چند روزہ حاصل ہوتی ہیں لیکن ان سے بدرجہا بہتر وہ توحیدِ خالص ہے
 جو ایک ابدی سعادت ہے اور لذت و حلالت جو مخلص موحدین کو اس سے حاصل
 ہوتی ہے، اس کا لفظوں میں اظہار کرنا دشوار ہے۔ ہر ایک مومن موحد کو بقدر اس
 کے ایمان اور درجہ توحید کے اس سے حصہ ملتا ہے، اسی بنا پر سلف صالحین میں
 سے کسی ایک نے کہا ہے کہ:

لے بنی آدم! تمہیں تمہارا محتاج ہونا مبارک ہو۔ اس تقریب سے تم کو اپنے مولائے کریم کا دروازہ کھلکھٹانے کی سعادت حاصل ہوگی۔	يَا بَنِي آدَمَ لَقَدْ بُوئِرْنَا لَكَ حَاجَةً أَكْثَرَتْ فِيهَا مِنْ قَدْرِ بَابِ سَيِّدِكَ
---	--

ہجوم مشکلات اور حلالت مناجات | ایک شیخ طریقت کا قول ہے کہ،
 ”بعض اوقات مجھے کوئی مشکل پیش آتی ہے جس کے رفع ہونے
 کے لیے بارگاہِ الہی تعالیٰ شانہ میں ملجھتا ہوں۔ اسے اشنا میرے
 مجھ کو وہ حلالت مناجات ہے میرے حاصل ہونے ہے کہ میرے نہیں چاہتا

کہ میری حاجت جلد پوری ہو۔ ڈر یہ ہوتا ہے کہ پھر میرا نفس اسے
 خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے طرفہ رجوع نہیں کرے گا، کیوں
 کہ نفس ہمیشہ اپنے حظوظ کا خواہش مند ہوتا ہے اور اگر اسے کہہ حاجت
 پوری ہو جائے تو پھر کہہ کہ پرواہ نہیں کرتا۔

خاتمہ کتاب

بعض کتب سابقہ میں آیا ہے کہ؛ لے آدم کے بیٹے! مصیبت میں
 یا ابن آدم البلاء یجمع تمہارا تعلق میرے ساتھ ہو جاتا ہے
 بینی و بینک و العافیۃ اور عافیت میں تمہارا تعلق اپنے نفس
 تجمیع بینک و بین نفسک کے ساتھ ہو جاتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے اور ہر ایک سچا مومن اپنے باطن میں اس صلاوت ایمان
 کا ادراک کر سکتا ہے۔ لیکن یہ اور بات ہے کہ کسی میں ایمانی ذوق اور وجدان کی کمی
 ہو۔ کیوں کہ وہ حالت جو صاحب ایمان کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ وہ اپنے
 قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ پاتا ہے، اس کا دل خالص اللہ تعالیٰ کی محبت سے
 معمور ہوتا ہے، اس کا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر ہوتا ہے، اس

لے کاش انسان کو اس حالت پر ثابت قدم رہنا نصیب ہوتا لیکن یہاں تو یہ کیفیت ہے کہ ادھر سختی
 اور تکلیف دور ہوئی اور توحید کا فور ہوئی۔ قاللہ لھو المستعان وعلیہ التکلان

لا حُبَّ اور بغض کسی اور کے لیے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے اور اس کی امید و بیم کا مرجع اسی کی ذاتِ پاک ہوتی ہے۔ وہ خاص اسی کی عبادت کرتا ہے اور فقط اس سے توفیق اور اعانت کا خواہاں ہوتا ہے۔ وہ اپنی طرف سے کچھ بھی ارادہ نہیں کرتا، بلکہ اس نے اپنا ارادہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی مرضی میں فنا کر دیا ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی کیفیت ہے جس کا صرف ذوق اور وجدان ہی سے ادراک ہو سکتا ہے ۝

ذوقِ ایں مے نشناسی بخدا تانہ چشتی !

ہر ایک مومن کو اس کا کم و بیش حصہ عنایت ہوا ہے اور یہ دینِ اسلام کی وہ حقیقت ہے، جس کی اشاعت کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو بھیجا اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں اور قرآن کریم کی تعلیم کا مرکز و محور بھی یہی ہے۔

وَ فَقْنَا اللَّهُ تَعَالَى لِدَا لِكِ وَ اَللَّهُ تَعَالَى اَعْلَمُ وَ اَعْلَمُ اَتَمُّ وَ حُكْمُهُ
اَحْكَمُ



مركز الدعوة الاسلامیہ مطبوعات

- ◎ العبودیۃ ————— شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ علیہ الرحمہ
- ◎ الفرفتان ————— " " " " " "
- ◎ کتاب الکبائر ————— شیخ الاسلام امام محمد بن عبد الوہاب علیہ الرحمہ
- ◎ اصول دین ————— " " " " " "
- ◎ فضل الاسلام ————— " " " " " "
- ◎ دین کے چار بنیادی اصول ————— " " " " " "
- ◎ فضائل قرآن ————— " " " " " "
- ◎ اصول ایمان ————— " " " " " "
- ◎ الورد المصنّف المختار ————— المغفور جلّالہ الملک عبدالعزیز آل سعود
- ◎ دعوت الی اللہ اور مبلغین کے اوصاف ————— سماحہ اشق عبدالعزیز عبداللہ بن باز حفظہ اللہ
- ◎ حج و عمرہ قرآن و سنت کے آئینے میں ————— " " " " " "
- ◎ عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت ————— " " " " " "
- ◎ احادیث قدسیہ ————— دکتور عزالدین ابراہیم حفظہ اللہ
- ◎ حیات صحابہ کے درخشاں پہلو ————— دکتور عبدالرحمان رافت الباشا
- ◎ سگریٹ نوشی ————— سماحہ مفتی محمد ابراہیم حفظہ اللہ
- ◎ عقیدہ طحاویۃ ————— علامہ ابو جعفر الوراق الطحاوی حفظہ اللہ

مندرجہ بالا کتب کا سلیس اردو زبان میں ترجمہ محمود احمد غضنفر کے قلم سے

تفسیر

ایستکبر

تالیف

شیخ الاسلام الامام ابن تیمیہ
رحمۃ اللہ علیہ

تقدیم و تنقیح

د احمد غضنفر

516

مکتبہ ابن تیمیہ

لاہور پاکستان